قرآن اکیڈمی میں جناب [illegible] کی اہم تقریر

استحکامِ پاکستان : تاریخ کی قرآنی تعبیر

وَقَدْ أَخَذَ مِيثَاقَكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

مرکزی مکتبہ تنظیمِ اسلامی

۳۶-کے ماڈل ٹاؤن ○ لاہور

پنجاب بیوریجز کمپنی لمیٹڈ۔ فیصل آباد۔ فون: ۲۶۰۳۹ / ۲۳۹۳۱

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُم بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (المائدہ: ۷)

اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

ماہنامہ میثاق لاہور

جلد ——— ۳۵

شمارہ ——— ۷

جولائی ۱۹۸۶ء

مطابق

ذوالقعدہ ۱۴۰۶ھ

زرِ سالانہ -/۴۰ روپے

فی شمارہ ۴/۰۰ روپے

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

ادارۂ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن

مولانا محمد سعید الرحمٰن علوی

حافظ عاکف سعید

چودھری بشیر احمد

مکتبہ تنظیم اسلامی ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۱۴ فون ۱۵۲۶۹۸۳

سب آفس: ۱۱۔ داؤد منزل، نزد آرام باغ، شاہراہ لیاقت کراچی: فون ۲۱۲۵۸۲

مشمولات

- عرضِ احوال ——— ۳
  جمیل الرحمٰن
- تذکرہ وتبصرہ ——— ۱۱
  ڈاکٹر اسرار احمد
- الہدیٰ (نشست ۳۳-۳۴) ——— ۲۱
  "تعمیرِ سیرت کی اساسات": سورۂ مومنون اور سورہ معارج کی روشنی میں
  ڈاکٹر اسرار احمد
- تاریخ کی قرآنی تعبیر ——— ۳۷
  "استحکامِ پاکستان" پر تبصرہ
  سراج منیر
- ہندوستان میں مسلمانوں کی صورتِ حال — اور عائلی قوانین کا مسئلہ ۴۹
  کُل ہند مجلس تعمیرِ ملت کے جنرل سیکرٹری عبدالرحیم قریشی سے انٹرویو
- اسلامی انقلاب، مراحل، مدارج اور لوازم ——— ۷۵
  فتح مُبین، صُلح حدیبیہ (۳)
  ڈاکٹر اسرار احمد
- رفتارِ کار ——— ۸۵
  دس دن سکنڈے نیوین ممالک میں
- افکار و آراء ——— ۹۳
  اسلامی قوانین اور جدید ستنسی نقطہ نظر

جمیل الرحمٰن　　بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ احوال

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمْ

ذوالعقدہ ۱۴۰۶ھ مطابق جولائی ۸۶ء کا 'میثاق' ہدیہ ناظرین ہے۔ موجودہ شمارہ بھی قریباً ایک عشرہ کی تاخیر سے قارئین کرام تک پہنچے گا۔ مئی اور جون میں قریباً پورا پاکستان خاص طور پر لاہور و کراچی گرمی کے جس شدید موسم سے دوچار رہے ہیں اس کا پورا اندازہ ہمارے تمام کرم فرماؤں کو ہوگا۔ اس پر مستزاد یہ کہ مئی کے آخر کے دو عشرے اور جون کے پہلے عشرہ میں ایک طرف صوم رمضان المبارک کے فرض کی ادائیگی تھی، تو دوسری طرف 'ادارہ میثاق' کے بیشتر کارکن بحمد للہ لاہور اور کراچی میں منعقد ہونے والے دورۂ ترجمہ قرآن اور قیام اللیل میں شریک رہے جس میں روزانہ قریباً پانچ گھنٹے لگتے تھے۔ بایں وجہ پرچہ کی بروقت تیاری کو متاثر ہونا ہی تھا۔ بہرحال یہ کوشش پیش نظر ہے کہ ان شاء اللہ اگست کا شمارہ ابتدائی تاریخوں میں ہی پیر ڈاک کر دیا جائے گا تاکہ ۵ - ۶ تاریخ تک قارئین کے ہاتھوں میں پہنچ جائے۔

کراچی میں دورۂ ترجمہ قرآن بحمدہٖ تعالیٰ وعونہٖ توقع سے کہیں زیادہ کامیاب رہا۔ ۳۰ شعبان المعظم کو بعد نماز عشاء امیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہٗ نے دو عظمت قرآن و رمضان - اور ان کے باہمی تعلق" کے موضوع پر ناظم آباد بلاک ۵ (پاپوش نگر) کی وسیع و عریض جامع مسجد میں نہایت مبسوط، جامع اور پر تاثیر خطاب ارشاد فرمایا اور شرکاء کو دورۂ ترجمۂ قرآن میں شرکت کی تشویق و ترغیب دلائی۔ موصوف نے بتایا کہ از روئے احادیث شریفہ ماہ رمضان المبارک کے پروگرام کی دو شقیں ہیں۔ ایک دن کا صیام دوسری شب کا قیام - البتہ صوم فرائض دینی میں سے ایک فرض ہے اور رات کا قیام تطوع اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجعول ہے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے رات کے قیام کی فضیلت یہ بیان فرمائی ہے کہ روزِ قیامت جہاں روزہ روزے دار کے حق میں سفارش کرے گا وہاں قرآن بھی کہے گا کہ "میں نے اس کو رات کو سونے اور آرام کرنے سے روکے رکھا تھا تو اے اللہ! آج اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما" (یقول القرآن منعتہ النوم باللیل فشفعنی فیہ)" پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی کہ "فیشفعان" "روزے اور قرآن دونوں کی سفارش قبول کی جائے گی"۔ اس خطاب میں قریبًا آٹھ سو کی حاضری تھی۔

یکم رمضان المبارک کی شب سے بفضلہ تعالےٰ دورۂ ترجمۂ قرآن کے مبارک و مفید سلسلہ کا آغاز ہوگیا۔ امیر محترم نے پہلی رات سورۃ الفاتحہ اور پہلی چار رکعات میں تلاوت کئے جانے والے حصہ کا ترجمہ اور مختصر تشریح فرمائی۔ بعدہٗ ہر ترویحہ میں یہ سلسلہ جاری رہتا تھا۔ تراویح میں قرآن مجید پڑھنے کی ذمہ داری تنظیم اسلامی کے رفیق اور قرآن اکیڈمی کے نیلو بھائی حافظ محمد رفیق کے سپرد تھی۔ حافظ صاحب موصوف پر اللہ تعالےٰ کا یہ خصوصی فضل ہے کہ جہاں قرآن حکیم ان کے سینہ میں پوری طرح محفوظ اور زبان پر پوری طرح رواں ہے۔ کیا مجال! کہ ان کو سامع کو لقمہ دینے کی ضرورت محسوس ہوتی ہو۔ وہاں ان کو لحنِ داؤدی سے بھی حصہ ودیعت ہوا ہے۔ آواز ماشاء اللہ بہت اچھی ہے اور تلاوت کے انداز میں یہ حُسن ہے کہ ایک ایک لفظ سامعین کی سمجھ میں آتا ہے۔ —— یہ پروگرام عمومًا ہر شب کو پونے دس بجے شروع ہو کر صبح دو بجکر پچپن منٹ پر ختم ہوتا تھا۔ اس طرح بفضلہ تعالےٰ ۲۶ رمضان المبارک کی شب کو یہ پروگرام اختتام پذیر ہوا۔

ابتدائی دو تین راتوں کو شرکاء کی تعداد توقع کے برخلاف لگ بھگ دو سو افراد رہی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ۳۰ شعبان المعظم کو گولی مار کے علاقہ گل بہار میں ایک روڈ ایکسیڈنٹ کے باعث ہنگامہ ہوگیا جس نے دیکھتے دیکھتے ہی ناظم آباد اور لیاقت آباد کے علاقوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور ان علاقوں میں کرفیو نافذ ہوگیا چنانچہ ناظم آباد نمبر ۵ کی طرف شہر سے آنے والے اکثر راستے بلاک ہوگئے۔ جن حضرات نے اس سے قبل بلاک نمبر ۵ کی جامع مسجد نہیں دیکھی تھی یا جو شہر سے مسجد تک آنے والے دوسرے طویل راستوں سے پوری طرح واقف نہیں تھے وہ لوگ مسجد نہ پہنچ سکے اور گھوم گھام کر انہیں

واپس جانا پڑا - البتہ جیسے ہی ۳ رمضان المبارک سے کرفیو میں نرمی کی گئی اور ۶ رمضان المبارک کو بالکل ختم کر دیا گیا، ویسے ہی شرکاء کی تعداد میں اضافہ شروع ہو گیا اور یہ تعداد پونے تین اور تین سو تک پہنچ گئی پابندی سے آنے والوں میں کلفٹن، کورنگی، ڈرگ روڈ کالونی اور ملیر تک سے بعض حضرات شامل تھے - جملہ شرکاء کی کثیر تعداد اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات پر مشتمل ہوتی تھی - جمعہ اور ہفتہ کی راتوں میں (قمری حساب سے) یہ تعداد چار سو اچار سو تک پہنچ جاتی تھی - ۲۱ رمضان المبارک سے لیلۃ القدر میں یہ تعداد قریباً پانچ سو ہو گئی تھی - ۲۲ رمضان المبارک یعنی اس پروگرام کے اختتام والی شب کو یہ تعداد چھ سو افراد سے بھی متجاوز تھی - خواتین کی تعداد بھی پورے پروگرام میں روزانہ اوسطاً پچاس رہی -

ایک طرف فاران کلب کراچی کے ارباب حل وعقد کی خواہش اور پیش کش تھی کہ دورۂ ترجمہ قرآن کا یہ پروگرام ان کی مسجد میں رکھا جائے جو اسٹیڈیم روڈ پر واقع ہے - انہوں نے اس پروگرام کے لئے مسجد میں بہت سے ضروری انتظامات بھی کرائے تھے - دوسری طرف ناظم آباد (پاپوش نگر) کی جامع مسجد کے منتظمین کی پیش کش تھی کہ یہ پروگرام ان کی مسجد میں رکھا جائے - اس کام کے لئے انہوں نے مسجد کا دوسری منزل کا وسیع وعریض ہال وقف کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا نیز یہ بھی یقین دہانی کرائی تھی کہ نیچے مصلیٰ پر اور گیلریوں وغیرہ میں جو حفاظ تراویح پڑھائیں گے جن کی تعداد چھ تھی اُن کے لئے لاؤڈ اسپیکر استعمال نہیں کیا جائے گا تاکہ دورۂ ترجمۂ قرآن کے پروگرام میں جہاں لاؤڈ اسپیکر استعمال ہوگا وہاں کوئی الجھن حائل نہ ہو - جگہ کی وسیع ترین گنجائش اور اعلیٰ پیمانے پر دوسری ضروریات کی فراہمی کے پیش نظر دورۂ ترجمۂ قرآن کے لئے اسی مسجد کا انتخاب عمل میں آیا - ان شاء اللہ فاران کلب کے منتظمین بھی اپنی مخلصانہ پیش کش کے اجر وثواب سے بہرہ مند ہونگے -

جہاں تک ناظم آباد بلاک ۵ کی جامع مسجد کے جملہ منتظمین اور محترم خطیب وامام مسجد مدظلہٗ کا تعلق ہے تو حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات نے پورے پروگرام کے لئے اتنا بھرپور تعاون فرمایا کہ اس کے شکریہ کے لئے موزوں الفاظ ملنے مشکل ہیں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس تعاون علی البر کو ان سب حضرات کے لئے مستوجب اجر وثواب قرار فرمائے -

امیرِ محترم جب ۲۹ شعبان المعظم کو اس پروگرام کے لئے کراچی تشریف لائے تو موصوف کی طبیعت کافی مضمحل تھی حتیٰ کہ ٹمپریچر بھی تھا۔ اس پر مستزاد شدید گرمی — لیکن اللہ تعالےٰ نے اپنے خصوصی فضل سے دستگیری فرمائی اور ۲۶ رمضان دونوں میں بحمداللہ یہ پروگرام بغیر کسی وقفہ اور رکاوٹ کے تکمیل کو پہنچا۔ شرکاء کا شدید اصرار تھا کہ آئندہ سال کے رمضان المبارک میں بھی یہ پروگرام کراچی ہی میں رکھا جائے۔ تمام ہی شرکاء کا تاثر یہ تھا کہ یہ پروگرام اپنی افادیت کے اعتبار سے منفرد حیثیت کا حامل ہے۔ ایک طرف پُرجلال کلام الٰہی کی معجز نمائی۔ اور اسکی اپنی انتہائی تاثیر۔ دوسری طرف اللہ تعالےٰ نے خاص اپنے خزانہ فضل سے امیرِ محترم کو اپنی کتاب مبین فرقان حمید کا جو فہم ودیعت فرمایا ہے اور پھر اس کی تفہیم وتعلیم کی جو صلاحیت بیان وتبیین کی جو اہلیت اور اسلوب بیان میں جو اثر پذیری عطا فرمائی ہے، ان دونوں کے امتزاج سے پانچ گھنٹوں تک شرکاء جس وجد وعرفان اور جن رُوحانی ونورانی کیفیات سے سرشار ودشاد کام رہے، ان کو ضبط تحریر میں لانے سے قلم قاصر ہے — امیرِ محترم نے شرکاء کے شوق واشتیاق اور اصرار پر اس ارادے کا اظہار فرمایا کہ بشرطِ صحت وزندگی اور حالات کی سازگاری وہ ان شاء اللہ آئندہ سال کراچی ہی کو ترجیح دینے کا خیال رکھیں گے۔

اس دورہ ترجمۂ قرآن کی برکات واثرات کا ایک مظہر یہ بھی سامنے آیا کہ چون[۵۴] بالکل نئے حضرات نے بیعتِ سمع وطاعت فی المعروف اور ہجرت وجہاد کے لئے بیعت کے فارم پُر کئے۔ اکثر حضرات نے ۲۶ رمضان المبارک کو افطار کے بعد امیرِ محترم کے ہاتھ پر مسنون طریقہ سے بیعت بھی کر لی۔ بقیہ حضرات نے عیدالفطر کے بعد "شام الہدیٰ" کراچی کے لئے امیرِ محترم کے ورود مسعود کے موقع پر مسنونہ طریق پر بیعت بھی کر لی — اس طرح چون رفقاء کا کراچی کی تنظیم میں اضافہ ہوا۔

اسی دورۂ ترجمۂ قرآن کے دوران دو حضرات نے انجمن خدام القرآن سندھ۔ کراچی کی تاسیسی رکنیت اختیار کی اور متعدد حضرات نے عام رکنیت قبول کی۔ بحمداللہ ۳۰ مئی ۸۶ء کو کراچی میں اس انجمن کی باقاعدہ تاسیس عمل میں آچکی ہے، مجلس منتظمہ بھی تشکیل پا چکی ہے۔ عہدیداران کا بھی تقرر ہو چکا ہے۔ اور

انجمن باقاعدہ رجسٹرڈ بھی ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو اپنے مقاصد کی طرف جلد از جلد پیش رفت کی توفیق عطا فرمائے۔

ایک ضروری اطلاع یہ نوٹ فرمالیں کہ کراچی کے مکمل دورۂ ترجمۂ قرآن کی ریکارڈنگ کا الحمد للہ انتظام کیا گیا تھا۔ اس کے کیسٹ لاہور اور کراچی میں تنظیم اور انجمن کے دفاتر سے حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

قارئین کرام کو یاد ہوگا کہ امیر محترم نے سب سے پہلے رمضان المبارک ۱۴۰۴ھ میں قرآن اکیڈمی لاہور میں دورۂ ترجمۂ قرآن کا آغاز کیا تھا جس کا بحمد اللہ اگلے ہی رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ میں بھی اعادہ ہوا۔ امسال چونکہ اس کام کے لئے امیر محترم نے کراچی کا فیصلہ کیا تھا چنانچہ امسال قرآن اکیڈمی لاہور میں دورۂ ترجمۂ قرآن کی ذمہ داری محترم حافظ احمد یار مدظلہٗ نے ادا فرمائی۔ موصوف ایک مستند عالم دین ہیں۔ کئی سالوں تک پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ اسلامیات کے صدر رہے ہیں۔ موصوف کو تعلیم و تدریس کا نہایت وسیع تجربہ حاصل ہے۔ نیز قرآن حکیم کی تعلیم و تعلّم سے گہرا شغف ہے۔ اسلوب بیان میں جہاں سادگی ہے وہاں گیرائی و گہرائی بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ اس میں شریک ہونے والے حضرات کا یہ تاثر سامنے آیا ہے کہ محترم حافظ صاحب کے بیان سے لوگ کافی مستفید ہوتے۔ الحمد للہ اس رمضان المبارک میں قرآن اکیڈمی میں حافظ صاحب محترم نے دورۂ ترجمۂ قرآن حکیم مکمل فرمایا۔ معلوم ہوا ہے کہ شرکاء کی تعداد اوسطاً ڈیڑھ سو رہی۔ حافظ صاحب موصوف نے اپنی ضعیفی کے باوصف جس لگن اور ذمہ داری کے ساتھ تفویض کردہ کام انجام دیا ہے۔ اس پر وہ ان شاء اللہ العزیز آخرت میں مستحق اجر و ثواب قرار پائیں گے۔ قرآن اکیڈمی میں صلوٰۃ التراویح کی ذمہ داری عزیزم حافظ عاکف سعید سلمہٗ کے سپرد تھی۔

تنظیم اسلامی (مرکزی) کے دفاتر اور اجتماع گاہ کے لئے گڑھی شاہو حال علامہ اقبال روڈ لاہور پر تعمیرات کا جو سلسلہ جاری ہے وہ قریباً تین چوتھائی تک رمضان المبارک سے قبل مکمل ہو چکا تھا۔ امیر محترم نے فیصلہ فرمایا تھا کہ یہاں اجتماع گاہ میں بھی دورۂ ترجمان القرآن کا انتظام ہوگا اور یہ ذمہ داری موصوف نے محترم بھائی ڈاکٹر عبدالخالق صاحب رفیق تنظیم کے سپرد کی تھی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ

ڈاکٹر صاحب کو ایسی اہم ذمہ داری تفویض کی گئی تھی ۔ موصوف قرآن اکیڈمی کے دو سالہ تعلیمی کورس سے گزر چکے ہیں ۔ معلوم ہوا ہے کہ انہوں نے بڑی محنت کے ساتھ اس اہم اور کٹھن ذمہ داری کو ادا کیا ہے ۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے کلام پاک اور دین متین میں زیادہ سے زیادہ بصیرت اور اُس کا زیادہ سے زیادہ فہم عطا فرمائے اور آخرت میں ان کا شمار بھی خادمانِ دین متین اور خادمانِ قرآن حکیم میں ہو ۔

یہاں صلوٰۃ التراویح کی ذمہ داری ہمارے رفیق حافظ محمد اشرف نے ادا فرمائی ۔ مستقل طور پر شریک ہونے والوں کی تعداد چالیس اور پچاس کے درمیان رہی ۔

قرآن اکیڈمی اور تنظیم اسلامی کے مرکز گڑھی شاہو میں بھی ۲۶ رمضان المبارک ہی کی شب کو دورۂ ترجمہ قرآن کی بفضلہ تعالیٰ تکمیل ہو گئی تھی ۔ ۲۶ ویں روزے کو دن میں امیر محترم لاہور واپس تشریف لے آئے تھے ۔ چنانچہ ستائیسویں شب کو تراویح کی نماز سے قبل موصوف نے قرآن اکیڈمی میں "رمضان اور پاکستان" کے موضوع پر مختصر خطاب ارشاد فرمایا ۔ بعدہٗ اکیڈمی میں ۲۷ سے ۲۹ رمضان المبارک کی تین راتوں میں تراویح میں پورے قرآن مجید کا ختم ہوا ۔

اسکنڈے نیویا کے ملک ناروے کے دارالحکومت اوسلو سے وہاں کے اسلامک سنٹر سے امیر محترم کو دعوتی دورے کی دعوت قریباً آٹھ نو سال قبل ملی تھی ۔ لیکن اس وقت تک امیر محترم نے بیرون پاکستان دعوتی دوروں کے متعلق کوئی مثبت فیصلہ نہیں کیا تھا ۔ ہر کام کے لئے اللہ تعالیٰ کی مشیت میں ایک وقت مقرر ہے ۔ بیرون ممالک کے دوروں کی ابتدا شمالی امریکہ سے ہوئی اور ناروے کے دورے کا موقع جون ۸۶ء میں ملا ۔ اصل دعوت کوڈنمارک کے دارالحکومت کوپن ہیگن کے اسلامک سنٹر سے آئی تھی اور انہوں ہی نے اسکینڈے نیویا کے دو ملکوں سویڈن اور ناروے کے دارالحکومتوں میں بھی امیر محترم کے دروس قرآن حکیم اور خطابات کا اہتمام کیا تھا ۔ اس دورے میں محترم بھائی قمر سعید صاحب قیم تنظیم اسلامی برائے بیرون ممالک امیر محترم کے ہمراہ تھے ۔ انہوں نے دورے کے اہم نکات لکھ لئے تھے جس کی مدد سے ہمارے معاون کار مقبول الرحیم مفتی صاحب نے ایک روداد مرتب کی جو اس شمارہ میں قارئین کرام کی نظر سے گزرے گی ۔ امیر محترم نے ۲۷ جون کے خطاب جمعہ میں اس دورے

کے جو تاثرات بیان فرمائے تھے، وہ بھی اس شمارہ میں شامل ہیں۔

ابوظہبی (امارات) کا دسمبر ۸۵ء کے وسطی عشرہ میں امیر محترم کا جو دعوتی دورہ ہوا تھا، اس کی روداد قلم بند کرنے کی ذمہ داری خاکسار کے سپرد تھی۔ روداد کا کافی حصہ ضبط تحریر میں آچکا ہے، لیکن اندازہ ہوا کہ اس میں غیر معمولی طوالت ہو گئی ہے۔ اب اس کو دوبارہ لکھنا ایک مشکل کام نظر آرہا ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو وہ آئندہ کسی موقع پر شائع ہو جائے گی۔ ویسے اس دورے کے متعلق امیر محترم نے اپنے "تبصرہ و تذکرہ" شائع شدہ میثاق بابت فروری ۸۶ء میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس سے زیادہ اس دورے کو خراج تحسین پیش کرنا راقم کے لئے ممکن نہ ہوگا۔ امیر محترم نے تحریر فرمایا تھا:

"... ابوظہبی میں مجھے ایک نہایت خوشگوار حیرت کا سامنا ہوا۔ اس لئے کہ میرے آج تک کے بیرون پاکستان کے تمام دوروں کے دوران جن کا آغاز ۱۹۷۹ء کے سفر امریکہ سے ہوا تھا آج تک کہیں کوئی پروگرام اس قدر بھرپور، اتنا پیشگی مرتب شدہ (PRE - PLANNED) اتنا منظم (WELL - ORGANISED) اتنی خوبصورتی اور باقاعدگی کے ساتھ چلایا جانے والا (WELL - CONDUCTED) اور ان سب کے نتیجے میں اتنا کامیاب اور نتیجہ خیز (PRODUCTIVE) نہیں رہا جتنا ابوظہبی کا یہ دس روزہ پروگرام! (اس کے آس پاس اگر کوئی پروگرام آتا ہے تو وہ صرف ۱۹۶۹ء کا ٹورنٹو (کینیڈا) کا پروگرام تھا لیکن وہ بھی بہر حال نمبر دو پر ہے) اس کی وجہ چند نہایت اعلیٰ تعلیم یافتہ اور ہمارے موجودہ معیارات کے اعتبار سے "طبقۂ اعلیٰ" سے تعلق رکھنے والے نوجوانوں کی اجتماعی محنت (TEAM WORK) ہے — اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو حسن قبول سے سرفراز فرمائے! آمین یارب العٰلمین —"

امیر محترم اور بھائی قمر سعید صاحب ۱۳ جولائی ۸۶ء کو شمالی امریکہ کے دورے کے لئے ان شاء اللہ عازم سفر ہوں گے۔ پروگرام کی تفاصیل مئی ۸۶ء کے "میثاق" میں شائع ہو چکی ہیں۔ البتہ اس میں یہ اضافہ ہوا ہے کہ جاتے ہوئے یہ حضرات گرامی تین دن کے لئے ابوظہبی میں قیام فرمائیں گے — واپسی کے موقع پر اگر

سعودی عرب کا حج ویزا مل گیا تو ان شاء اللہ العزیز ۲۲ اگست ۸۶ء کو ان حضرات کی وطن مراجعت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اس سفر میں ان کا حامی و ناصر ہو اور اس سفر کو دین مبین کے لئے نافع بنائے۔ آمین۔

"میثاق" کے قارئین کرام خدمت میں ادارہ کی ایک کوتاہی اور فروگذاشت کے ضمن میں معذرت پیش کرنی ہے۔ ہوا یہ کہ ایک طرف مہنگائی اور دوسری طرف "میثاق" کے صفحات میں یہ در پہ اضافے نے مجبور کر دیا کہ سالانہ زرِ معاون میں دس روپے اور فی شمارہ ایک روپے کا اضافہ کر دیا جائے۔ چنانچہ اپریل سے اس پر عمل درآمد شروع کر دیا گیا جبکہ اصولاً ہونا یہ چاہیئے تھا کہ اس اضافہ سے قبل یا اس کے ساتھ ہی اپریل کے شمارہ میں اس کا اعلان ہوتا۔ یہ بات نظر انداز ہو گئی اور مئی و جون کے شمارے میں بھی اس کا تذکرہ نہ ہو سکا۔ ادارہ کی جانب سے اس کوتاہی پر دلی معذرت پیش ہے۔

وقت کے اہم ترین موضوع پر

ڈاکٹر اسرار احمد

کی فکر انگیز تالیف

اسلام اور پاکستان

کتابی شکل میں طبع ہو کر آ گئی ہے

ضخامت: ۱۷۶ صفحات، اعلیٰ سفید کاغذ، عمدہ طباعت

مجلد مع گرد پوش -/۳۰ روپے، بلا جلد -/۲۰ روپے

اب نیوز پیپر ایڈیشن بھی دستیاب ہے۔ قیمت -/۱۲ روپے

شائع کردہ: مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور ۳۶، کے ماڈل ٹاؤن، فون ۸۵۲۶۱۱

تذکرہ و تبصرہ

امیر تنظیم اسلامی، ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے وسط جون میں بعض احباب کی دعوت پر سکینڈے نیویہ ممالک کا ایک مختصر دورہ کیا تھا۔ اس دس روزہ دورے سے واپسی پر جمعہ ۲۷ جون کو دارالسلام میں محترم ڈاکٹر صاحب نے دورہ کے جو تاثرات بیان فرمائے اُن کی ایک تلخیص ہمارے معاون کارمفتی مقبول الرحیم نے مرتب کی ہے جو ہدیہ ناظرین ہے۔ (ادارہ)

میں اصولاً اس بات کا قائل ہوں کہ دعوت دین کے ضمن میں ہر مسلمان کا دائرہ کار اُس کا اپنا ملک ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے اُسے پیدا کیا ہے۔ جس طرح کسی شخص کو یہ معلوم نہیں کہ اسکی موت کہاں واقع ہوگی اسی طرح اپنی پیدائش میں بھی کسی کے اختیار اور ارادے کو کوئی دخل نہیں، گویا یہ خالصتاً اللہ کا فعل ہے۔ پھر تبلیغ و ابلاغ کے اعتبار سے یہ پہلو بھی بہت اہم ہے کہ انسان اپنے احساسات و جذبات کا اظہار جس انداز سے اپنی مادری زبان میں کر سکتا ہے وہ دوسری زبان میں ممکن نہیں، خواہ انسان اُس کا کتنا ہی بڑا عالم کیوں نہ بن جائے۔ اس لئے بیرونی ممالک میں جاکر تبلیغ کرنا میرے پروگرام اور لائحہ عمل کا کوئی مستقل حصہ ہے ہی نہیں۔ اور نہ ہی کبھی میں نے اپنے بیرونی دوروں کے لئے تبلیغی کا لفظ استعمال کیا ہے۔ میرا اصل دائرہ کار تو یہی مملکتِ خداداد پاکستان ہے۔

۱۹۷۹ء میں بعض اسباب کی بناء پر امریکہ جانے کا اتفاق ہوا اور پھر وہاں کے احباب سے ایسے تعلقات استوار ہوئے کہ آئندہ اُن کی دعوت کو رد کرنا میرے لئے ممکن نہ رہا۔ مزید یہ کہ وہاں باصلاحیت پاکستانیوں کی اتنی بڑی تعداد موجود ہے کہ انہیں

RE-CLAIM کرنے کے لئے دین کی طرف اور پاکستان کی طرف بلانے کے لئے جانا مفید رہتا ہے۔ امریکہ میں اپنے ہم وطنوں کی اتنی بڑی تعداد کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے ملک میں قحط الرجال کیوں ہے! ڈالر کی کشش میں اتنے بڑے پیمانے پر BRAIN DRAIN ہوا ہے کہ ہم افرادی قوت کے بحران میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ امریکہ آتے جاتے ہوئے چند روز کے لئے لندن میں رکنے کا اتفاق تو ہوتا رہا لیکن یورپ جانے کا یا رکنے کا موقع کبھی نہیں آیا تھا۔ چونکہ سکنڈے نیوین ممالک کے بارے میں بہت کچھ سننے میں آتا رہتا تھا۔ اس لئے جب وہاں کے دورے کی دعوت ملی تو ان سنی ہوئی باتوں کی براہ راست تحقیق، توثیق یا تردید کی نیت سے میں نے اس دعوت کو قبول کر لیا۔

اس سفر کے تاثرات بیان کرنے سے پہلے ان ممالک کے بارے میں کچھ بنیادی باتیں بھی عرض کر دوں۔ ڈنمارک کی تہذیب دنیا کی چند قدیم ترین تہذیبوں میں سے ایک ہے۔ یہاں بادشاہت کا سلسلہ دو ہزار برس سے ایک ہی خاندان میں چلا آرہا ہے۔ اس وقت ایک ملکہ سربراہ مملکت ہے۔ لیکن جاپان کے بادشاہ اور برطانیہ کی ملکہ کی طرح ڈنمارک کی ملکہ کی حیثیت بھی علامتی اور روایتی ہے۔ ملک کے معاملات میں انہیں کوئی اختیار حاصل نہیں۔ ڈنمارک کے ساتھ ایک سمندری پٹی کو عبور کر کے آباد دنیا کے انتہائی شمال میں سویڈن اور ناروے واقع ہیں۔ ناروے ہی میں وہ مشہور مقام بھی ہے جہاں آدھی رات کا سورج (MIDNIGHT SUN) نظر آتا ہے اور لوگ دور دور سے اسے دیکھنے آتے ہیں۔ ناروے سے آگے اگر ہم مزید شمال میں بڑھتے جائیں تو قطب شمالی کے وہ غیر آباد اور سرد ترین علاقے آتے ہیں جہاں چھ ماہ کا دن اور چھ ماہ کی رات ہوتی ہے۔ تینوں ممالک آبادی کے لحاظ سے بہت چھوٹے ہیں۔ ان کی آبادیوں کا شمار کروڑوں میں نہیں لاکھوں میں ہوتا ہے۔ ڈنمارک کا رقبہ زیادہ نہیں لیکن کم و بیش سارا علاقہ آباد ہے۔ سویڈن اور ناروے کا رقبہ بہت زیادہ ہے ایک لمبی پٹی ہے جو قطب شمالی تک چلی گئی ہے لیکن بہت سا علاقہ غیر آباد ہے۔ ان ممالک میں بسنے والے مسلمانوں میں اکثریت پاکستانیوں کی ہے۔ یہ لوگ بالعموم ۱۹۶۰ء کے زمانے میں وہاں گئے تھے جب باہر سے آنے والوں پر وہ پابندیاں نہیں تھیں جو اب ہیں۔ زیادہ تر پاکستانیوں کا تعلق ضلع گجرات سے ہے۔ پاکستانیوں کے بعد ترکوں کا نمبر آتا ہے۔ جن کی اکثریت

تو جرمنی میں آباد ہے لیکن چونکہ ڈنمارک جرمنی کا ہمسایہ ہے اور تہذیبی اعتبار سے بھی جرمن تہذیب ہی کا حصّہ ہے اس لئے ترک تارکین وطن کی اچھی خاصی تعداد سکنڈے نیوین ممالک (اور بالخصوص ڈنمارک میں آباد ہے۔ عرب اکا دُکا نظر آتے ہیں۔ لیکن اُن کا تعلق اکثر و بیشتر عرب سفارت خانوں سے ہوتا ہے۔ بہر حال ان ممالک میں مسلمان تارکین وطن کی مجموعی تعداد کا اندازہ بھی ہزاروں میں ہی ہے۔ کسی ملک میں آٹھ ہزار کسی میں بارہ ہزار چودہ ہزار۔ ان اعداد و شمار اور پس منظر سے آپکے ذہنوں میں وہ بنیادی خاکہ (FRAME OF REFERENCE) تیار ہو گیا ہے جس کے مطابق میں اپنے تاثرات بیان کروں گا۔

میرا سب سے پہلا تاثر یہ تھا کہ قدرت نے اس علاقے کو جن نعمتوں سے نوازا ہے ان کا تصوّر بھی اس سے پہلے ذہن میں نہیں تھا۔ یہ علاقے انتہائی سرسبز و شاداب ہیں۔ سویڈن کے ساحلی شہر ہنسبرگ سے سٹاک ہام تک تقریباً سات سو کلو میٹر کا سفر بذریعہ کار طے کرنے کا موقع ملا۔ بلا مبالغہ عرض کر رہا ہوں کہ کہیں ایک انچ زمین بھی ننگی نظر نہیں آئی۔ دونوں طرف سمندر ہے پھر جگہ جگہ جھیلیں ہیں۔ پانی اور زرخیز زمین کے اعتبار سے اللہ کی عطا و عنایت کی انتہا نظر آتی ہے۔ یا کھیت نظر آتے ہیں یا جنگلات ہوائی جہاز سے دیکھئے تو سمندر اور سرسبزی کے درمیان صرف ایک لکیر دکھائی دیتی ہے کہیں ریت یا سفید زمین نظر نہیں آتی جو عام ساحلی علاقوں میں دکھائی دیتی ہے۔ اس نظارے کو دیکھ کر فوراً ذہن میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اللہ نے اپنی مادّی نعمتوں کیلئے تو اس علاقے کو چنا اور اپنی رُوحانی نعمت یعنی ہدایت کے لئے اُس علاقے کو چنا جو "وادٍ غیر ذی زرع" ہے۔ اب کروڑوں روپے خرچ کر کے وہاں کچھ سبزہ اُگانے کی کوشش کی گئی ہے لیکن یہ بھی دس پندرہ سال کی بات ہے۔ تیل بھی اس علاقے سے نہیں نکلتا، عرب کے مشرقی ساحل سے نکلتا ہے۔ یہ اللہ کی اپنی حکمتیں ہیں اور وہی ان کو بہتر جانتا ہے۔ دراصل اللہ تعالٰی کی اس تقسیم میں بھی اہل ایمان کے لئے قناعت کا درس ہے کہ جنہیں ہدایت ملی ہے وہ دنیوی وسائل سے اپنی محرومی پر قانع ہو جائیں۔ زمین کے خطوں میں وسائل کی تقسیم سے بھی یہ نظر آ رہا ہے کہ جسے وہ دیتے ہیں اُسے یہ نہیں دیتے۔ حضرت علیؓ کا اسی مضمون کا ایک شعر ہے کہ ؎

رضینا قسمة الجبار فینا لنا علمٌ وللجهال مال
(ہم اللہ تعالیٰ کی اس تقسیم پر راضی ہیں کہ اس نے ہمیں علم دیا اور جاہلوں کو مال)

دوسرا اور اہم تر تاثر یہ ہے کہ قدرت کی عنایات کے ساتھ خود انسان کی کوششوں کے نتائج بھی ان ممالک میں اپنے عروج پر ہیں۔ اُس کے دو پہلو ہیں۔ ایک تو ہے سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کے نتیجے میں نہ صرف وسائلِ معاش اور اسبابِ ضرورت کی فراوانی بلکہ اسبابِ تعیش کی فراوانی یہ پہلو تو بقیہ یورپ، امریکہ اور برطانیہ میں بھی ملے گا یسکنڈے نیوین ممالک کے حوالے سے جس چیز کی اہمیت ہے وہ ہے انسانوں کا اپنا بنایا ہوا اجتماعی نظام۔ اس کے بھی دو پہلو ہیں ایک معاشی دوسرا سیاسی۔ ان دونوں کے اعتبارات سے واقعتاً محسوس ہوتا ہے کہ یہ لوگ اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مارنے کے باوجود اور ہدایت آسمانی سے محرومی کے باوجود اُس جگہ پہنچ گئے ہیں جہاں اسلام ہمیں پہنچانا چاہتا ہے۔ جبکہ ہمارے کسی ملک کا رُخ بھی اُدھر نہیں ہے۔ کوئی طبقاتی تقسیم نہیں ہے۔ وزیرِ خزانہ بھی اپنا چیک کیش کروانے کے لئے لائن میں کھڑا ہوتا ہے۔ حکومت کے کسی عہدیدار کے لئے کوئی سرکاری قیام گاہ ہے ہی نہیں۔ نہ کوٹھیاں ہیں نہ پہرے ہیں نہ ہٹو بچو ہے۔ اقتدار میں آنے سے پہلے اپنے جن گھروں میں وہ رہتے تھے اقتدار میں آنے کے بعد بھی وہیں اور اقتدار سے ہٹنے کے بعد بھی وہیں رہتے ہیں۔ کسی کے وزیر ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ ڈنمارک میں جس شئے کا نام ملکہ ہے اُس کے ملکہ ہونے کے صرف دو مظاہر ہیں کہ ایک یہ کہ اُس کے پاس اپنی خصوصی کشتی ہے اور دوسرے یہ کہ ملک کے صرف ایک ہسپتال میں اُس کے لئے ایک کمرہ مخصوص ہے۔ برطانیہ کی طرح یہاں شاہی شان و شوکت کا کوئی اہتمام نہیں۔ جو سہولتیں اور جو حقوق کسی عام شہری کو کسی فیکٹری ورکر کو حاصل ہیں وہی وزیراعظم کو حاصل ہیں۔ حکمرانوں کے بچے بھی عام بچوں کے ساتھ تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ کسی مراعات یافتہ طبقے کا کوئی وجود نہیں۔ انسانی مساوات کے وہ نمونے جو ہمارے اسلاف میں پائے جاتے تھے جن کا تصور اسلام نے دیا تھا، جنہیں ہم تقریروں میں بیان کرتے ہیں تو لوگ سمجھتے ہیں کہ کہانیاں بیان ہو رہی ہیں وہاں عملاً دکھائی دیتے ہیں۔ ہمارا

نوجوانی انہیں دیکھ کر متاثر ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ حقیقی اسلام تو یہاں ہے سیاسی اور سماجی مساوات اور انصاف کا جو نظام انہوں نے قائم کر رکھا ہے وہ انتہائی متاثر اور مرعوب کرنے والا ہے۔ اس کے ساتھ معاشی میدان میں بھی اُن کی کامیابی حیران کن ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کی ساری آزادیاں ساری خوبیاں موجود ہیں اُس کے ساتھ ہی کسی انسان کے بھوکا مرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کام کرنے والے کی تنخواہ اور کام نہ کرنے والے کے بیروزگاری الاؤنس میں بہت معمولی سا فرق ہے۔ حضرت عمرؓ کے مشہور قول کہ "فرات کے کنارے ایک کتا بھی پیاسا مر جائے تو اُس کا ذمہ دار عمرؓ ہوگا" کی عملی تفسیر اور تصویر وہاں نظر آتی ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام اور کمیونزم کی خوبیوں کا حسین امتزاج انہوں نے ممکن کر دکھایا ہے۔ انسان چار و ناچار اُسی طرف جا رہا ہے جہاں اسلام اُسے پہنچانا چاہتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اس حقیقت کی بہت خوبصورت تعبیر کی ہے۔ ؎

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو — زانکہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نورِ مصطفیٰ او را بہاست — یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰ است

(اس جہانِ رنگ و بو کی خاک میں جہاں بھی آرزو پیدا ہو رہی ہے وہ یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ ہدایت کا نتیجہ ہے۔ یا اُس نورِ ہدایت کی تلاش میں ہے)

اُن کا نظام کیا ہے؟ آزاد معیشت ہے کام کرنے کی کمانے کی آزادی ہے۔ ٹیکس کی شرح بہت بھاری ہے لیکن لوگ خوشدلی سے ادا کرتے ہیں کیونکہ اُن سے جو نظام چل رہا ہے اُس کے فوائد اُن تک پہنچتے ہیں۔ آپ بیمار پڑ جائیں بیکار ہو جائیں۔ آپ کے علاج کا، بچوں کی تعلیم کا، اخراجات کا مکمل انتظام حکومت کی طرف سے بالکل مساویانہ سطح پر موجود ہے۔ یعنی ایک فلاحی مملکت میں کفالتِ عامہ کا بہترین نظام عملاً چل رہا ہے۔ کوئی کمیونسٹ حکومت ساری آزادیاں سلب کرنے کے باوجود اور تمام ذرائع و وسائل پر اختیار حاصل کرنے کے باوجود ایسا نظام قائم نہیں کر سکی۔ تمام تر آزادیوں کے ساتھ کفالتِ عامہ کا جو نظام انہوں نے ممکن کر دکھایا ہے وہ اگر کہیں ہے تو اسلام میں ہے لیکن ہم جب کہتے ہیں تو وہ ایک نظری بات ہوتی ہے۔

کیونکہ دُنیا میں مسلمانوں کا کوئی ملک ایسا نہیں ہے جس کی مثال ہم پیش کر سکیں کہ یہ نمونہ موجود ہے۔ اس نمونے کو پیش کرنے کے لئے تو بقول قائداعظم پاکستان ہم نے حاصل کیا تھا۔ کہ "ہم پاکستان کی شکل میں اسلام کے اُصول حریت و اخوت و مساوات کا اس جدید دُنیا کے سامنے ایک نمونہ پیش کرنا چاہتے ہیں" لیکن افسوس کہ چالیس برس ہم نے ضائع کر دیئے۔ ہمارے ہاں تو انتشار ہے ظلم ہے طبقاتی تقسیم ہے استحصال ہے سماجی اونچ نیچ ہے۔ کون سی سماجی اور معاشی بُرائی ہے جو ہمارے موجود نہیں ہے۔ رشوت، بددیانتی، چور بازاری اور سمگلنگ وغیرہ تو اضافی چیزیں ہیں۔

ان ممالک کی تصویر کے اس روشن رُخ ساتھ تصویر کا تاریک بلکہ تاریک ترین پہلو وہ جنسی آزادی ہے جس نے اُن کی خاندانی زندگی اور اخلاقی اقدار کا جنازہ نکال دیا ہے۔ جنسی اعتبار سے انسان اور حیوان میں کوئی فرق نہیں رہا۔ دراصل ایک صدی قبل فرائس سے اس مادر پدر آزادی کی تحریک کا آغاز ہوا تھا۔ ایسا ادب لکھا گیا جس کا مرکزی نقطہ یہ تھا کہ جس طرح حیوانوں میں رشتوں کا کوئی امتیاز نہیں ہوتا۔ اس طرح انسانوں میں بھی نہیں ہونا چاہیئے، کیونکہ انسان بھی ایک حیوان ہے۔ اس چیز کو رہنما اصول مان کر ادیبوں نے کتابیں لکھیں کہ ظالم سماج نے خواہ مخواہ کی پابندیاں اور رکاوٹیں عائد کر رکھی ہیں۔ عورت عورت ہے کوئی ہو مرد مرد ہے کوئی ہو۔ عریانی فحاشی، بے حیائی کو نکتہ عروج پر دیکھنا ہو تو ان ممالک میں بھی دیکھیئے۔

امریکہ میں بھی وہ آزادی نہیں ملے گی جو یہاں ہے۔ موسم گرما میں ساحلوں پر میلوں تک ننگے جسموں کا ایک نظارہ ملتا ہے۔ صرف ایک مختصر سا جانگیا اور اوپر کچھ نہیں۔ خواہ مرد ہو یا عورت۔ ستر و حیا کا کوئی تصور ہے ہی نہیں۔ حیوانات میں بھی شرم و حیا کا مادہ پایا جاتا ہے۔ صرف سور ایک ایسا حیوان ہے جس میں قطعاً شرم و حیا کا کوئی احساس نہیں پایا جاتا اور وہی یہاں خوراک کا جزو اعظم ہے اور یہی وجہ ہے کہ جنسی اعتبار سے بھی انسان یہاں بالکل سور کا ہم پلّہ ہے۔ یہی حکمت ہے کہ قرآن نے چار مقامات پر جن چار چیزوں کو حرام قرار دیا ہے اُن میں صرف سور ہی ایک ایسا جانور ہے جس کا نام لے کر اُس کے گوشت کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ باقی تین چیزیں مردار، خون اور ایسا جانور جسے غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو ہیں۔ ان ممالک

میں خاندانی نظام شدید ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے لیکن دو مردوں کی باہمی شادی اور دو عورتوں کی شادی قانونی طور پر جائز قرار دی گئی ہے۔ اگر کوئی مرد اور عورت بغیر شادی کے اکٹھے رہتے ہیں تو کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں بلکہ اگر وہ حکومت کو یہ اطلاع دے دیں کہ ہم اکٹھے رہ رہے ہیں تو انہیں قانونی طور پر وہ تمام مراعات اور سہولتیں ملیں گی جو ایک باقاعدہ شادی شدہ جوڑے کو ملتی ہیں۔ یہ ہے وہ تضاد اور پستی کی انتہا جو ان ممالک میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ ایسا کیوں ہے! آسمانی ہدایت سے دامن وابستہ نہیں ہے۔ شریعت پر ایمان اور عمل ہوتا تو ہر چیز اپنی جگہ ٹھیک ہوتی۔ معاشرہ پاک صاف ہوتا۔ بیوی بیوی ہوتی، بہن بہن ہوتی، بیٹی بیٹی ہوتی صرف عورت نہ ہوتی۔ باپ باپ ہوتا شوہر شوہر ہوتا۔ بیٹا بیٹا ہوتا صرف ایک مرد نہ ہوتا۔

یہاں اپنی بدبختی پر بھی غور کر لیجئے۔ اُن کی ان برائیوں کو اختیار کرنے کے راستے پر ہم کس تیزی سے سفر کر رہے ہیں۔ خواتین کی آزادی اور مساوات کی تحریکیں چل رہی ہیں۔ جدید تعلیم یافتہ بیگمات تمام اخلاقی اقدار اور سماجی بندھنوں کو پامال کر کے کھل کھیلنا چاہتی ہیں۔ ان تحریکوں کو فکری غذا اور رہنمائی وہیں سے مل رہی ہے۔ لیکن وہاں جو چیزیں اچھی ہیں جو پہلو خیر کے ہیں اُن کی طرف پیش قدمی کا کوئی سوال ہی نہیں۔ معاشی استحصال کا خاتمہ اور کفالت عامہ کے اصول کا اطلاق تو بہت دور کی بات ہے ہم سماجی سطح پر بھی کوئی اصلاح کرنے اور مساوات کی طرف قدم بڑھانے کو تیار نہیں ہیں۔ سید زادہ خواہ شرابی ہو یا زانی وہ اونچا ہی رہے گا۔ مصلی، نائی، موچی کتنا ہی نیک پارسا اور متقی ہو وہ نیچ اور گھٹیا ہی رہیگا۔ سیاسی طور پر بھی ہم حاکموں اور محکوموں کی تقسیم کو ختم کرنے پر تیار نہیں ہیں۔ وہاں کا وزیر اعظم اولف پالمے ایک عام آدمی کی طرح بازار میں چلتے ہوئے قتل کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ محافظوں کا کوئی لاؤ لشکر اور ہٹو بچو کا کوئی ہنگامہ نہیں تھا۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ لیکن سوچیئے یہ تصور آیا کہاں سے۔ خلفاء راشدین میں سے کس نے اپنے لئے باڈی گارڈ رکھے یا امتناعی نظر بندی کے قوانین بنائے۔ جو چیزیں کبھی ہمارا سرمایہ امتیاز تھیں اُنہیں غیروں کے ہاں دیکھ کر ان کامیابیوں پر جتنا رشک آتا ہے اُس سے زیادہ اپنی محرومیوں کا احساس ہوتا ہے۔ یہ ہم ہی تو تھے ہمارے اسلاف

نے ہی چودہ سو سال پہلے ان سب چیزوں پر عمل کر کے دکھایا تھا۔

وہاں اس سے بھی زیادہ عبرت ناک اور قابلِ افسوس کیفیت ان پاکستانیوں کی ہے جنہیں ہم تارکینِ وطن کہتے ہیں۔ شروع میں دو تین روز تو وہ وہاں کے نظام کی خوبیاں بیان کرتے ہیں اور محسوس ہوتا ہے کہ یہ لوگ جنت ارضی میں رہتے ہیں۔ لیکن جب وہ کھلتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ کس جہنم میں رہ رہے ہیں۔ اُن کی نئی نسلیں اُن کی آنکھوں کے سامنے برباد ہو رہی ہیں لیکن دولت اور آرام کے لالچ نے انہیں اندھا کر دیا ہے۔ صرف ایک شہر اوسلو میں چار سو پاکستانی عورتیں اپنے شوہروں سے طلاق لے چکی ہیں۔ حکومت نے انہیں پولیس کے پہرے میں علیحدہ رہائش مہیا کر رکھی ہے کیوں کہ انہوں نے کہا ہے کہ ہمیں اپنے شوہروں سے خطرہ ہے، ان کی بیویاں، لڑکے اور لڑکیاں بالکل وہاں کے معاشرے کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں میں صرف ایک واقعہ عرض کر دوں اُس سے آپ ماحول کی زہرناکی کا اندازہ کر لیجیے کوپن ہیگن کے اسلامی مرکز میں جمعہ پڑھانے کے بعد میں روانہ ہو رہا تھا کہ ایک پاکستانی آیا اور کہنے لگا کہ چند منٹ میری بات سن لیجیے۔ میں نے کہا بھائی میں نے فلائٹ پکڑنی ہے۔ لیکن اُس کی آنکھوں میں آنسو اُتر آئے۔ میں نے کہا بتائیے کیا مسئلہ ہے۔ کہنے لگا میرے چھ بچے ہیں بیوی ہے۔ میری بیوی بہت عرصہ پہلے میری عزت کا سودا کر چکی۔ اب پھر وہ یہاں مجھ سے الگ ایک پاکستانی کے ساتھ رہ رہی ہے۔ ایک بار میرا خون جوش میں آگیا تو میں نے اُسے تھپڑ مار دیا میری دو جوان بیٹیوں نے جن کی عمریں سترہ اور اُنیس برس ہیں دونوں نے مل کر ڈنڈوں سے میری پٹائی کی۔ میری جوان بیٹیاں میری آنکھوں کے سامنے سب کچھ کرتی ہیں لیکن میں انہیں کچھ کہہ نہیں سکتا۔ یعنی بالکل لغوی اعتبار سے مادر پدر آزادی ہے۔ مسئلہ وہ یہ پوچھ رہا تھا کہ میں حج پر جا رہا ہوں۔ تو اس بیوی اور اس اولاد کا خرچہ میرے ذمے ہے یا نہیں۔ اس کی سادہ لوحی پر میں نے ماتھا پیٹ لیا۔ مسئلے اور اُس کے حل کو چھوڑیئے ذرا اُس نقشے پر غور کیجیے جو اس واقعے سے سامنے آتا ہے اور یہ ایک آدمی کا قصہ نہیں ہے۔ کتنے ہی خاندان اس طرح ٹوٹ پھوٹ رہے ہیں۔ مجھے تو جہاں بھی موقع ملا میں نے انہیں یہی کہا کہ واپس آؤ۔ اس جہنم سے نکلو۔ اس بات پر وہ یہاں

کی بدنظمی رشوت اور دیگر معاشرتی برائیوں کا رونا روتے ہیں ۔ حالانکہ اُن کا فرض ہے کہ جس خیر کو اور بھلائی کو انہوں نے وہاں دیکھا ہے اُسے اپنے ملک میں جاری کرنے کے لئے یہاں آکر جدوجہد کریں ۔ وہاں بیٹھ رہنا تو فراریت ہے ۔ میں نے اُنہیں اور کیا کیا کہا وہ تو ایک طویل داستان ہے ۔ آخر میں ایک ناخوشگوار واقعہ کا ذکر بھی سن لیجئے ۔ جس کی خبر آپ اخبار میں یہاں بھی پڑھ چکے ہیں ۔ دراصل سویڈن میں پیپلز پارٹی کے وہ سارے جلاوطن عناصر سیاسی پناہ لئے ہوئے ہیں جنہیں طیارے کے اغواء کے نتیجے میں جیلوں سے رہائی ملی تھی ۔ اُن لوگوں نے اُس ہال کے باہر مظاہرے کا اہتمام کیا تھا ۔ جہاں میں نے درس قرآن دیا ۔ اُنہوں نے صرف مظاہرہ ہی نہیں کیا افواہیں بھی پھیلائیں ۔ کسی کو کہا کہ لندن میں ڈاکٹر اسرار احمد پہ دل کا دورہ پڑا ہے اور وہ تو دوسرے جہان میں پہنچ چکا ۔ کسی کو کہا کہ ہم وہاں ہنگامہ کریں گے ۔ جسے جان عزیز ہے وہ درس سننے نہ جائے ۔ ان حرکتوں نے حاضری کو خاصا متاثر کیا ۔ لیکن اُنہیں ہال کے قریب آنے کی جرأت نہیں ہوئی ۔ ہال سے کافی فاصلے پر چند عورتیں اور چند مرد ایک بینر لئے کھڑے تھے اور واپس جاؤ کے نعرے لگا رہے تھے ۔ وہاں کے اخبارات نے اس مظاہرے کو خوب نمک مرچ لگا کر پیش کیا ۔ اس مظاہرے کے دو ہی روز بعد اوسلو میں مَیں نے چوہدری عبدالحمید صاحب کا وہ مضمون دیکھا جس میں انہوں نے لکھا تھا کہ میں مسجد دارالسلام میں پیپلز پارٹی شو منعقد کرتا ہوں ۔ دراصل معاملہ یہ ہے کہ ہم افراط و تفریط سے چھٹکارا حاصل نہیں کر پاتے ۔ چوہدری صاحب میرے بزرگ ہیں مَیں ان کا احترام کرتا ہوں لیکن میرا معاملہ تو وہی ہے کہ بقول اقبال ؎

زاہدِ تنگ نظر نے مجھے کافر جانا
اور کافر یہ سمجھتا ہے مسلمان ہوں میں

میں گذشتہ بیس برس سے فہم قرآن کے جس مشن میں لگا ہوا ہوں اُس سے چوہدری صاحب اور دیگر احباب واقف ہیں ۔ اگر میں نے یہ کہہ دیا ہے کہ ملک کو انتشار کے حوالے کرنے سے بہتر ہے کہ درمیانی مدت کے انتخاب کرالئے جائیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں پیپلز پارٹی کا گرویدہ ہو گیا ہوں ۔ ان کی خرابیاں اپنی جگہ ہیں ۔ باقی نہ یہ میرا مطالبہ

ہے کہ مڈٹرم الیکشن ضرور کروائے جائیں نہیں نے انتخاب میں حصہ لینا ہے۔ میں نے تو صرف "الدین النصیحہ" کا فریضہ ادا کرتے ہوئے مشورۃً ایک بات عرض کی تھی لیکن ؎

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش
میں زہرِ ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

واخر دعوانا عن الحمد للہ رب العالمین ہ

بیرونِ پاکستان کیلئے میثاق کے سالانہ زرتعاون کی نئی شرح

ہمیں افسوس ہے یکم جولائی ۸۶ء سے بیرون پاکستان ڈاک کی شرح میں اچانک اضافے کے باعث ہمیں بیرونِ پاکستان کے لئے میثاق کے سالانہ زرتعاون میں اضافہ کرنا پڑا ہے۔ ہمیں توقع ہے کہ قارئین اس اضافے کو ناگزیر سمجھتے ہوئے خوشدلی سے قبول فرمائیں گے۔ آئندہ سے مختلف ممالک کے لئے سالانہ زرتعاون کی شرح حسب ذیل ہو گی اور اس کا اطلاق یکم جولائی سے ہو جائے گا۔

★ الجزائر، مصر، بنگلہ دیش۔ عراق، ایران، ترکی، اومان، اردن، شام	۶ - ا مریکی ڈالر
★ سعودی عرب، کویت، دوبئی، دوہا، قطر، متحدہ عرب امارات	۲۵ سعودی ریال یا ۲۵ درہم امارات
★ یورپ، انگلستان، افریقہ، جاپان	۹ امریکی ڈالر
★ شمالی جنوبی امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا۔ نیوزی لینڈ	۱۲ 〃 〃

(نشست ۳۳)

الہدیٰ

تعمیرِ سیرت کی اساسات اور قرآن کا انسانِ مطلوب

سورۃ مومنون اور سورۃ معارج کی روشنی میں

(مباحثِ عمل صالح)

ڈاکٹر اسرار احمد

کے ٹیلیویژن کے دروس کا سلسلہ

—— (۱) ——

السلام علیکم — نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم — اما بعد

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ — بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝
قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلَاتِہِمْ خٰشِعُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ
ھُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ
ھُمْ لِفُرُوْجِہِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَاجِہِمْ اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُہُمْ
فَاِنَّہُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْعٰدُوْنَ ۝
وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِاَمٰنٰتِہِمْ وَعَہْدِہِمْ رٰعُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَلٰی
صَلَوٰتِہِمْ یُحَافِظُوْنَ ۝ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ
الْفِرْدَوْسَ ط ھُمْ فِیْہَا خٰلِدُوْنَ ۝

صدق اللہ العظیم !!

" کامیاب اور بامراد ہوئے اہلِ ایمان جو اپنی نمازوں میں خشوع سے کام لیتے ہیں اور جو بیکار اور بے مقصد باتوں سے احتراز کرتے ہیں اور جو تزکیہ نفس پر مسلسل کاربند رہتے ہیں اور جو اپنی شرم گاہوں یعنی اپنی شہوت کی حفاظت کرتے ہیں سوائے اپنی بیویوں یا باندیوں

کے۔ لہٰذا ان کے اس معاملے میں ان پر کوئی ملامت نہیں ہے لیکن جو کوئی اس سے تجاوز کرے گا تو وہی حد سے بڑھ جانے والے ہیں۔ اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی پابندی کرتے ہیں اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہی ہیں وہ لوگ جو وارث بنیں گے۔ جنہیں جنت الفردوس کی وراثت ملے گی اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔"

محترم حاضرین اور معزز ناظرین!

یہ سورۂ مومنون کی ابتدائی گیارہ آیات ہیں، جن پر ہمارے اس منتخب نصاب کا دسواں سبق مشتمل ہے۔ اسی سبق سے اس منتخب نصاب کے تیسرے حصّے کا بھی آغاز ہوتا ہے اور یہ حصّہ قرآن حکیم کے چند ایسے منتخب مقامات پر مشتمل ہے جن میں اعمال صالحہ کی کسی قدر تفصیل بیان ہوئی ہے۔ یعنی انسانی زندگی کے عملی اور اخلاقی پہلو۔ اگرچہ اس سے قبل اس سلسلہ درس میں جتنے بھی دروس ہوئے ہیں ان میں ہر ایک میں بلا استثنیٰ ایمان کے ساتھ ساتھ انسانی زندگی کے عملی اور اخلاقی پہلوؤں کا بھی ذکر ملا ہے۔ ایمان کے عملی تقاضے، ایمان کے عملی لوازم، ایمان کے عملی اور اخلاقی نتائج، یہ قریباً تمام اسباق میں ہمارے سامنے آتے رہے ہیں لیکن اس حصّے میں بنیادی طور پر ہماری توجہ مرتکز اور Focus رہے گی۔ اعمال صالحہ ہی کی بحث پر — اور اس میں جو تدریج پیشِ نظر ہے اسے آپ پہلے ہی ذہن نشین فرمالیں۔ وہ یہ کہ سب سے پہلے ہم ایک فرد ایک شخص، ایک انسان کی سیرت و کردار میں جو اوصاف مطلوب ہیں، ان کے اعتبار سے قرآن مجید کے بعض مقامات کا مطالعہ کریں گے۔ گویا کہ ہم یہ جاننا چاہیں گے کہ قرآن کا انسانِ مطلوب کیسا ہوتا ہے! جس کی نقشہ کشی علامہ اقبال نے اپنے اشعار میں "مردِ مومن" کے حوالے سے کی ہے۔ اس کی کیا خصوصیات ہوتی ہیں! اس کی سیرت و کردار میں کون سے پہلو نمایاں ہوتے ہیں! پھر یہ بحث ہمارے اس سلسلۂ سبق میں دو سطحوں پر آئے گی۔ ایک تو یہ کہ تعمیرِ سیرت کے لئے اساسات کون سی ہیں! وہ بنیادیں کون سی ہیں کہ جن پر ایک اعلیٰ سیرت و کردار کی عمارت تعمیر ہو سکتی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ ہر عمارت کی ایک بنیاد ہوتی ہے۔ اسی بنیاد پر وہ عمارت اٹھتی ہے اور اسی بنیاد کے مستحکم ہونے پر اس عمارت کے استحکام کا دار و مدار ہوتا ہے۔ لہٰذا تعمیرِ ذات یا تعمیرِ سیرت یا اگر علامہ اقبال کی اصطلاح مستعار لی جائے تو تعمیرِ خودی کے لئے قرآن مجید کیا لائحۂ عمل پیش کرتا ہے اور اس کی اساسات کیا ہیں! اس کی بنیادیں کون سی ہیں! پھر ہم یہ دیکھیں گے کہ جب ان بنیادوں پر ایک انسانی شخصیت کی تمام و کمال تعمیر ہو جاتی ہے تو اس کے امتیازی خدوخال

کیا ہوتے ہیں! اس میں جو حسن اور جو دل کشی پیدا ہوتی ہے وہ کن اوصاف کی بنیاد پر پیدا ہوتی ہے۔ مجھے علامہ اقبال کا اس موقع پر یہ شعر یاد آرہا ہے کہ ؎

حوروں کو شکایت ہے کم آمیز ہے مومن
کہتے ہیں فرشتے کہ دل آویز ہے مومن!

تو مومن کی شخصیت کی جو دل آویزی ہے وہ کون کون سی خصوصیات اور اس کے کون کون سے اوصاف پر مبنی ہے! ــــ

پھر ہم یہ دیکھیں گے کہ جب ایک فرد سے ہم آگے بڑھتے ہیں تو ایک خاندان وجود میں آتا ہے تو خاندان اور عائلی زندگی کے سلسلہ میں قرآن مجید ہمیں کیا رہنمائی دیتا ہے! اس کے عملی تشکیل کے لئے کیا اصول دیتا ہے! ایک اچھا خاندان قرآن مجید کے نزدیک کون سا ہے! اس کے خصائص و اوصاف کیا ہیں!

اس سے ہم جب آگے بڑھیں گے تو دیکھیں گے کہ خاندانوں کے مجموعے سے ایک معاشرہ وجود میں آتا ہے اس انسانی معاشرے میں کن اقدار و اوصاف کو قرآن مجید چاہتا ہے کہ وہ نافذ ہوں، رائج ہوں! قرآن مجید کو کن Values کی ترویج ایک معاشرے میں اصلاً مطلوب ہے! اور وہ کون سی سماجی خرابیاں اور برائیاں (Social Evils) از روئے قرآن ہیں کہ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ انسانی معاشرے سے دور رہیں، ان کا استحصال کیا جائے ــــ پھر اس عملِ صالح کی بحث کی بلند ترین سطح یہ ہوگی کہ ملت و ریاست کی سطح پر، حکومت اور نظامِ حکومت کی سطح پر قرآن مجید ہماری کیا رہنمائی کرتا ہے! تو ہمارا آج کا سبق اس سلسلہ کا پہلا سبق ہے اور اس میں اصل میں وہ اساسات بیان ہوئی ہیں، وہ بنیادیں معین کی گئی ہیں کہ جن پر ایک مردِ مومن کی شخصیت کی تعمیر ہو سکتی ہے ــــ انسانی سیرت و کردار کی پختگی کے لئے جو لوازم ہیں، ان کا تعین کیا گیا ہے۔ علامہ اقبال کا وہ شعر آپ کے ذہن میں ہوگا کہ ؎

خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو ــــ پختہ ہو جائے تو ہے شمشیرِ بے زنہار تو

لہٰذا یہ پختگی۔ یہ انسانی سیرت و کردار کا مستحکم ہو جانا، اس کے لئے کون سی محنت ضروری ہے! کونسی مشقت اور ریاضت ہے کہ جس کی طرف قرآن مجید رہنمائی کرتا ہے!

اب آپ نوٹ کیجئے کہ آپ نے آغاز میں سورۂ مومنون کی جو ابتدائی گیارہ آیات

سماعت فرمائیں اور ان کا ترجمہ بھی سنا تو اس میں چند اوصاف سلسلہ وار بیان ہوتے ہیں۔ اہم ترین وصف ہے صلوٰۃ ــــ جس کا ترجمہ ہم عام طور پر "نماز" کرتے ہیں۔ اس ضمن میں خاص طور پر نوٹ کرنے والی بات یہ ہے کہ اوصاف کی اس فہرست میں آغاز بھی نماز سے ہوا، اختتام بھی نماز پر ہوا: قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ۝ کامیاب ہو گئے وہ اہلِ ایمان جو اپنی نمازوں میں خشوع سے کام لیتے ہیں۔" پھر چند اوصاف بیان کرنے کے بعد آخری وصف بیان ہوا: وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝ "اور وہ لوگ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ انہیں ضائع نہیں ہونے دیتے" ــــــــــــــــ ــــــ معلوم ہوا کہ اس فہرست میں اوّل بھی نماز ہے، آخر بھی نماز ہے۔ اس سے یہ خصوصی رہنمائی حاصل ہوئی کہ تعمیرِ سیرت کا جو قرآنی پروگرام ہے، اس کا جو لائحہ عمل ہے، اس میں نہایت اہمیت کا حامل نماز کا پروگرام اور نماز کا نظام ہے۔

دوسرا وصف آتا ہے اِعراض عَنِ اللَّغْوِ ــ بے کار باتوں سے احتراز کرنا، بچنا، دامن بچائے رکھنا، اپنے وقت کی قدر و قیمت کا احساس رہے اور انسان ہر لمحہ کو مفید بنائے، بامقصد بنائے، نتیجہ خیز بنائے۔ انسان کا وقت یا تو اس حیاتِ دنیوی کی کسی حقیقی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے صرف ہو رہا ہو اور یا اپنی حیاتِ معنوی کی تطہیر اور اس کے تزکیہ کے لئے صرف ہو رہا ہو۔ یا حیاتِ اخروی کے لئے کچھ کمانے اور بنانے میں صرف ہو رہا ہو۔ ان کاموں کے سوا وقت کا صرف ضیاع بھی ہے اور زیاں بھی ــ

تیسرا وصف آتا ہے: وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ ۝ " وہ لوگ جو زکوٰۃ پر عمل کرتے رہتے ہیں"! یہاں نوٹ کرنے والی بات یہ ہے کہ قرآن مجید میں عموماً زکوٰۃ کے ساتھ لفظ " ایتاء " آتا ہے۔ جیسے اٰتَى الزَّكٰوةَ ـ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ ـ یہاں آپ نے دیکھا کہ بالکل مختلف فعل استعمال ہوا: وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ ۝ یہاں فَاعِلُوْنَ یہ مفہوم ادا کر رہا ہے کہ مسلسل کوشاں رہتے ہیں مسلسل کاربند رہتے ہیں۔ تزکیۂ نفس کے لئے ان کی جدوجہد مسلسل جاری رہتی ہے۔

چوتھا وصف ہے اپنے جنسی جذبہ یعنی اپنی شہوت پر کنٹرول (Sex Discipline) کہ اس کی تسکین کے لئے قرآن مجید نے جو جائز راہ معیّن کر دی ہے، اس پر اکتفا کیا جائے۔

اس کے بارے میں یہ بھی صراحت کر دی گئی کہ ان جائز راہوں سے اگر کوئی اپنے اس جذبہ کی تسکین کرتا ہے تو اس میں ہرگز کوئی ملامت والی بات نہیں ہے۔ یعنی جذبہ (Sexual Instinct) فی نفسہٖ شر نہیں ہے، برائی نہیں، Evil نہیں ہے۔ اس کا غلط استعمال درحقیقت برائی ہے۔ اگر اس میں انضباط (Discipline) ہو اور اس میں بے راہ روی اور کجروی (Perversion) نہ ہو۔ یعنی اس میں نہ تو بے قابو ہونے کی کیفیت پیدا ہو اور نہ جائز راہوں سے انحراف ہو تو فی نفسہٖ یہ کوئی ملامت والی بات نہیں۔ چنانچہ فرمایا گیا: وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اور مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ ــــ غور طلب بات یہ ہے کہ یہاں 'غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ' کے اسلوب سے جائز راستوں کے جواز کا اسلوب کیوں اختیار کیا گیا! اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کے سوا دوسرے مذاہب میں تجرّد کی زندگی بسر کرنا اور اپنے جنسی جذبہ کو جو فطرت اور جبلّت میں ایک نہایت قوی جذبہ ہے، کچلنا ایک اعلیٰ ترین روحانی قدر قرار دیا جاتا ہے جبکہ اسلام دینِ فطرت ہے وہ اس فطری و جبلّی جذبہ کو بالکلیہ کچلنے اور دبانے کو قطعی پسند نہیں کرتا۔ اس کا منشاء و مدّعا یہ ہے کہ اس جذبہ کی تسکین کے لئے جائز اور حلال راہیں اختیار کی جائیں۔ نکاح کو اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سُنّتوں میں سے ایک سنّت قرار دیا ہے۔ آپ میں سے اکثر حضرات نے یہ حدیث سنی ہوگی جو ہر خطبۂ نکاح میں پڑھی جاتی ہے کہ: اَلنِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِيْ۔ اسی کے ساتھ ایک دوسری طویل حدیث کا یہ آخری حصّہ بھی پڑھا جاتا ہے کہ: وَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ ــــ "جس کو میری سنّت پسند نہیں اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں" ــــ اس مقام پر جہاں جنسی تسکین کے لئے جائز راہوں کی طرف رہنمائی کی گئی وہاں اس کے ساتھ ہی فرما دیا گیا: فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝ تو جو کوئی ڈھونڈے، اختیار کرے، پسند کرے اس کے سوا کوئی اور راہ تو وہی لوگ ہیں حد سے بڑھنے والے ــ یعنی طاغی اور باغی ــــ اگلی آیت میں دو اوصاف آئے۔ گویا پانچواں وصف 'امانتوں کی پاسداری' اور چھٹا وصف 'ایفاءِ عہد' فرمایا: وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝ "اور وہ لوگ (فلاح پا گئے) جو اپنی امانتوں اور عہد و پیمان کی پاسداری کرتے ہیں۔ امانت داری اور ایفائے عہد کے معاملوں میں چوکس رہتے ہیں ــ

یہ چھ اوصاف ہیں یہ گویا Corner stones ہیں۔ اساسات ہیں، یہ بنیادیں ہیں کہ جن پر انسانی شخصیت کی اس رُخ پر تعمیر کا عمل مبنی ہو سکتا ہے کہ جس رُخ پر اللہ کو انسان کی شخصیت

کی تعمیر پسند ہے۔ تعمیرِ ذات، تعمیرِ سیرت، تعمیرِ کردار کے بھی مختلف معیارات ہو سکتے ہیں۔ مختلف نظریات اور مختلف فلسفوں پر مبنی انسانی سیرت و کردار کے مختلف ہیولے لوگوں کے ذہنوں میں ہو سکتے ہیں لیکن اللہ کا انسانِ مطلوب، قرآن کا مردِ مومن، اس کی جو سیرت و کردار اس کے خالق و مالک اور پروردگار کو مطلوب ہے اس کی تعمیر کے لئے یہ چھ ناگزیر، لابدی، اٹل (inevitable) اساسات ہیں ـــــ ان چھ اوصاف کے بیان کے بعد پھر نماز کا ذکر فرمایا گیا تاکہ دین میں نماز کی جو اہمیت ہے وہ مستحضر رہے اور ایک مردِ مومن جان لے کہ تعمیرِ سیرت کا اہم ترین عامل نماز کی حفاظت ہے۔ فرمایا: وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝

آخر میں ان لوگوں کو جو مستقل طور پر اپنے اندر یہ اوصاف پیدا کریں، ان اساسات پر اپنی سیرت و کردار کی تعمیر کریں انہیں بشارت دی گئی کہ یہی لوگ جنّت الفردوس کے وارث ہوں گے جس میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے: اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ط هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

قرآن حکیم کا یہ اسلوب ہے کہ جو مضامین باعادہ آئیں گے، بار بار آئیں گے گویا ان کی اہمیت مسلّم ہوتی چلی جائے گی۔ چنانچہ دیکھئے انتیسویں پارے میں سورۂ معارج ہے۔ اس کی آیات ۱۹ تا ۳۵ میں پڑھ رہا ہوں۔ اور ان کی ترجمانی بھی ساتھ ساتھ کروں گا تاکہ تقابل ہوتا چلا جائے کہ سورۂ مومنون کی ابتدائی گیارہ آیات اور سورۂ معارج کی ان سترہ آیات میں کس قدر مشابہت ہے۔ فرمایا: اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ۝ "یقیناً انسان تھڑدلا اور کم ہمت پیدا ہوا ہے"۔ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ۝ "جب اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو جزع فزع کرتا ہے، فریاد کرتا ہے، نالہ و شیون کرتا ہے" وَاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ۝ "لیکن جب اس کو کوئی خیر ملتا ہے، مال و دولت ہاتھ آتی ہے، اللہ تعالیٰ نعمتیں دیتا ہے تو ان کو روک روک کر رکھتا ہے، سینت سینت کر رکھتا ہے، دوسروں تک انہیں پہنچنے نہیں دیتا" ـــــ یہ دراصل انسان کی سیرت کی اس خامی کی طرف اشارہ ہے کہ جس سے انسان کی رستگاری اور اس کو آزادی دلانا اس پروگرام کا مقصد ہے۔ آگے فرمایا: اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ۝ "سوائے ان کے جو نماز کے خوگر اور عادی ہو گئے ہوں" ـــــ یہاں نماز کی اتنی اہمیت سامنے آئی کہ وہاں فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ کا لفظ آیا تھا اس کی بجائے یہاں "مُصَلِّيْنَ" آیا گویا مومن اور نمازی یہ مترادف اور ہم معنی الفاظ ہیں ـــــ آگے فرمایا: اَلَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ۝

"جو اپنی نمازوں پر مداومت کرتے ہیں، ہمیشگی اختیار کرتے ہیں. وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۙ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝ "اور وہ لوگ جن کے اموال میں حق ہے معین اور معلوم مانگنے والوں کے لئے بھی اور ان لوگوں کے لئے بھی جو کسی سبب سے محروم ہو جائیں"۔ یہ گویا سورۃ المومنون میں جو الفاظ آئے وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۝ یہاں اس کے مترادف الفاظ آگئے ــــ آگے فرمایا: وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝ "اور وہ لوگ جو روزِ جزا، یوم قیامت کی تصدیق کرنے والے ہیں"ــــ وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۝ "اور وہ لوگ جو اپنے رب کے عذاب سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں"، ڈرتے رہتے ہیں: اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ۔ اور واقعۃً ان کے رب کا عذاب ایسی ہی چیز ہے جس سے نچنت نہیں ہوا جا سکتا۔ جس سے بے خوف ہونا ممکن نہیں ہے"۔ ان تین آیات کے بارے میں میں عرض کروں گا کہ ان کا تعلق "اعراض عن اللغو" سے ہے۔ یہ ایمان بالآخرت ہے جس کے نتیجہ میں دنیا کی زندگی کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہو جاتا ہے ــــ اور اس کا حاصل ہے "اعراض عن اللغو" بیکار باتوں سے دامن بچانا، پہلو تہی کرنا ــــ اس کی قدرے وضاحت ان شاء اللہ آگے سبق میں آئے گی۔

اس کے بعد آپ دیکھیں گے کہ بعینہٖ وہ الفاظ دوبارہ آرہے ہیں جو سورۃ المومنون میں آئے تھے: وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝ کوئی فرق نہیں ہے بعینہٖ یہی الفاظ سورۂ مومنون کی آیات ۵ تا ۸ میں ہیں اور بعینہٖ یہ الفاظ یہاں سورہ معارج میں وارد ہوئے ہیں۔ البتہ یہاں ایک چیز کا اضافہ کیا گیا وہ یہ کہ امانت اور عہد کے ضمن میں شہادت پر قائم رہنا۔ گواہی پر قائم رہنا۔ فرمایا: وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ۝ ــــ آخر میں وہی نماز وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝ جیسے وہاں اول و آخر نماز ویسے یہاں اول و آخر نماز ــــ آگے فرمایا: اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ۝ "یہ ہیں وہ لوگ جو جنتوں میں ہوں گے اور وہاں ان کا اکرام و اعزاز ہوگا"ــــ سورۂ مومنون میں فرمایا تھا: اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۙ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ ــــ یہاں ان الفاظ میں بشارت دی گئی: اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ــــ سورۂ مومنون اور سورۂ معارج کے ان دونوں مقامات کو اچھی طرح ذہن نشین فرمالیجئے۔ آئندہ ان شاء اللہ

اگلی نشست میں ان میں سے ایک ایک موضوع پر کسی قدر تفصیلی گفتگو ہوگی۔ آج جو کچھ عرض کیا گیا ہے سرِدست اس سے متعلق اگر کوئی اشکال یا سوال ہو تو میں حاضر ہوں۔

سوال وجواب

سوال: ڈاکٹر صاحب! سورۂ معارج کی ایک آیت میں آیا ہے کہ انسان کم حوصلہ پیدا ہوا ہے تو کیا اس سے یہ سمجھا جائے کہ کم حوصلہ ہونا انسانی سرشت میں شامل ہے؟

جواب: یہ بہت عمدہ سوال ہے۔ اگرچہ اس پر کسی قدر تفصیل سے گفتگو اگلے درس میں آئے گی کہ انسانی خلقت میں بعض پہلو واقعتہً ایسے ہیں کہ جو کمزوریاں لئے ہوئے ہیں اور ان سے اپنے آپ کو آزاد کرا کے اپنی شخصیت کی صحیح طرز پر تعمیر کرنا ہی درحقیقت انسان کے کرنے کا اصل کام ہے اور اسی کے لئے جو چیزیں لازم ہیں وہ ہمارے آج کے سبق میں سامنے آئی ہیں۔ ان پر جیسا کہ عرض کیا گیا ہر موضوع پر ان شاء اللہ آئندہ نشستوں میں قدرے وضاحت سے گفتگو ہوگی۔

حضرات! ہمارا آج کا سبق اصل میں ایک طویل موضوع کی صرف تمہید ہے۔ آج ہمارے سامنے وہ چھ امور آگئے ہیں کہ جن پر از روئے قرآن تعمیرِ سیرت کے پروگرام کا دارومدار ہے۔ اللہ تعالیٰ آج کے اس درس سے یہ ارادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے کہ ہم اپنی سیرتوں کی تعمیر انہی خطوط پر کرنے کی کوشش کریں گے۔

وَمَا تَوْفِيقِيٓ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ ۔ وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ

(۲)
نشست نمبر ۳۴

السلام علیکم۔ نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ـــ اما بعد
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ـــ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ـــ
فَقَالَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى فِي سُوْرَةِ الْمَعَارِجِ:
اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ۝ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ۝ وَاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ۝ ـــ صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ ـــ

معزز حاضرین و محترم ناظرین و سامعین!

ہمارے مطالعہ قرآنِ حکیم کے اس منتخب نصاب کے دسویں سبق کے آغاز میں سورۂ مؤمنون میں ایک اصطلاح وارد ہوئی ہے۔ "فلح" ــــ یہ لفظ قرآن مجید میں متعدد بار آیا ہے: اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ اور سورۂ معارج کا جو حصّہ سورۂ مؤمنون کی ابتدائی گیارہ آیات کے مشابہ ہے جن کا ہم نے گذشتہ نشست میں مطالعہ کیا تھا۔ اس کے آغاز میں الفاظ آئے کہ: اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ۝ "بے شک انسان تھڑدلا اور کم ہمّتا پیدا کیا گیا ہے"۔ اس کی مزید وضاحت ہوئی: اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ۝ "جب اسے کوئی تکلیف پہونچتی ہے تو جزع فزع کرتا ہے، نالہ و شیون سے کام لیتا ہے، فریاد کرتا ہے، چیختا چلّاتا ہے"۔ وَاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ۝ اور جب خیر یا بھلائی یا دولت اسے ملتی ہے تو اسے سینت سینت کر، سمیٹ سمیٹ کر اپنے ہی پاس رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اپنے دوسرے ابناءِ نوع کو اس میں حصّہ دار بنانے کی ہمّت نہیں رکھتا۔"

آج ہمیں یہ سمجھنا ہے کہ انسان کی شخصیت میں ضعف اور کمزوری کے وہ کون کون سے پہلو ہیں جن کی نشان دہی قرآن مجید نے کی ہے اور جن کے ازالہ کے لئے انسان کے لئے محنت و مشقّت اور ریاضت ضروری ہے۔ قرآن مجید کے مطالعہ سے ایک بڑی عجیب حقیقت سامنے آتی ہے کہ ایک طرف قرآن مجید انسان کی عظمت کو نمایاں (emphasise) کرتا ہے کہ یہ بہت اعلیٰ خلقت کا حامل ہے۔ دوسری طرف قرآنِ مجید انسانی خلقت کے بعض خلا اور اس کی بعض کمزوریوں کی نشاندہی بھی کرتا ہے۔ ایک طرف بلندیاں ہیں اور ساتھ ہی پستیاں ہیں۔ جیسے سورۂ التین میں فرمایا گیا: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۝ اس کی بہت خوبصورتی سے شیخ سعدی رحمۃ اللہ نے ترجمانی کی ہے وہ کہتے ہیں ؎

آدمی زادہ طرفہ معجون است

از فرشتہ سرشتہ و ز حیوان ــــ!

یہ انسان، آدمی زادہ، حضرتِ آدم کی اولاد عجیب مرکّب وجود کا حامل ہے۔ یہ چوں چوں کا مربّہ ہے۔ اس میں ایک جانب بڑی بلندیاں ہیں۔ وہ بلندیاں جو اسے ملائکہ کا ہم پلّہ ہی نہیں مسجود بناتی ہیں۔ دوسری طرف اس میں پستیاں ہیں اور یہ خالص حیوانات کی سطح پر بھی گر جاتا ہے۔ پس اس میں، ملکوتیّت اور حیوانیّت کے اوصاف بیک وقت موجود ہیں ــــ اگر ہم خود کچھ درون بینی کی عادت ڈالیں اور اپنے اندر بھی جھانکا کریں تو ہمیں خود محسوس ہوگا کہ یہ دو متضاد تقاضے ہمارے اندر موجود ہیں۔ خیر و شر

کے عواطف و میلانات بیک وقت ہمیں اپنے باطن میں محسوس ہوتے ہیں۔ نیکی، بھلائی، علوِ ہمت اور کردار کی بلندی کی طرف بھی رجحان ہمارے اندر موجود ہے۔ ساتھ ہی پستی کی طرف میلان خود ہمارے اندر موجود ہے ــــ اسے ہم تعبیر کرتے ہیں کشمکشِ خیر و شر سے، جس کے داعیات اور عواطف اور میلانات ہمارے اپنے اندر موجود ہیں ــــ اسی کو علامہ اقبال نے ایک مقام پر 'معرکہ روح و بدن' سے تعبیر کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں ؎

دنیا کو ہے پھر معرکۂ روح و بدن پیش!
تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو اُبھارا
اللہ کو پامردیٔ مومن پہ بھروسہ ــــ
ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا

فرائڈ ایک بہت بڑا ماہر نفسیات شمار ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کے بہت سے نظریات گمراہ کن بھی ہیں لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نے انسانی نفسیات کا مطالعہ اور مشاہدہ بہت گہرائی میں اتر کر کیا ہے۔ اس کے یہاں آپ کو یہ اصطلاحات ملیں گی۔ ایک طرف 'ID' اور 'LIBIDO' ہے یعنی حیوانی جبلّتیں (Animal Instincts) حیوانی تقاضے۔ ــــ دوسری طرف 'EGO' اور 'Super EGO' یعنی انا اور انائے کبیر بھی موجود ہے۔ یہ وہ چیزیں ہیں جو انسان کو رفعت اور اخلاق کی بلند منزلوں کی طرف کھینچتی ہیں۔

قرآن مجید نے بھی نفس کو کہیں تو ایک وحدت کی حیثیت سے لیا ہے تو وہ پستی کا مظہر ہے اور اس کے مقابلہ میں قلب و روح کو بلندی اور رفعت کا مظہر قرار دیا ہے ــــ کہیں ایسا ہوا ہے کہ نفس ہی کو ایک جامع اصطلاح کے طور پر لے کر اس کی تین حالتوں اور کیفیات کی نشان دہی کی گئی ہے ــــ پہلی ہے نفسِ امّارہ یعنی اس میں برائی، بے حیائی، شہوت، خواہشات، حیوانی جبلّتیں ــــ انہی کی طرف سارا میلان اور رجحان ہے۔ چنانچہ تیرھویں پارے کی پہلی آیت آپ میں سے اکثر کو یاد ہو گی: وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ۔

لیکن قرآن مجید دوسری کیفیت نفسِ لوّامہ کو نہ صرف تسلیم کرتا ہے بلکہ اللہ نے اس کی قسم کھائی ہے۔ اسے وقوعِ قیامت پر بطور شہادت پیش کیا ہے جس کا ہم سورۂ قیامہ میں مطالعہ کر چکے ہیں: وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۝ برائی پر ملامت کرنے والی چیز بھی انسان کے اپنے اندر موجود ہے۔ پھر ایک بلند ترین کیفیت ہے نفسِ مطمئنّہ۔ جب آدمی زادہ حیوانیت سے آزادی اور رستگاری

حاصل کر کے انسانیت کے بلند مقام پر متمکن ہو جائے، وہاں قائم ہو جائے، جم جائے تو یہ ہے نفسِ مطمئنہ جس کا ذکر ہے سورۃ الفجر کے آخر میں: یٰٓاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ۝ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً ۝ لہٰذا یہ ہیں وہ متضاد میلانات و رجحانات جو انسان کے اندر موجود ہیں۔

مزید توجہ کیجئے۔ قرآن کریم ہمیں یہ بتاتا ہے کہ وہ مسجودِ ملائک ہے۔ قرآن مجید میں سات مرتبہ اس کا ذکر ہے کہ ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ مزید قرآن حکیم سورۂ بنی اسرائیل میں بتاتا ہے کہ: وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰھُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰھُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰھُمْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا ۝ "ہم نے انسان کو بڑی عزت بخشی ہے اور ہم اسے بحر و بر میں اٹھائے پھرتے ہیں اور اسے پاکیزہ رزق دیتے ہیں اور ہم نے جو کچھ بنایا ہے اس میں سے بہتوں پر اسے فضیلت عطا کی ہے۔ یہ بھی اس کا اعزاز و اکرام ہے"۔۔۔ قرآن یہ بھی کہتا ہے: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۝ "ہم نے انسان کو بہترین خلقت پر پیدا کیا ہے"۔۔۔ اور سورہ صٓ کی آیت نمبر ۷۵ میں یہ الفاظ بھی آگئے ہیں: لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ "اس انسان کو تو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا ہے۔ اور اگرچہ قرآن میں تو اس کا ذکر نہیں ہے لیکن ایک مضمون ہے جو تورات میں ہے۔ وہ یہ کہ:

"And God created man in his own image"

اور بعینہٖ یہ مضمون حدیثِ نبویؐ میں بھی ہے کہ: خَلَقَ اللّٰہُ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ۔ "اللہ نے آدم کی تخلیق فرمائی ہے اپنی صورت پر"۔۔۔ اس کو بلا تشبیہ خیال کیجئے۔۔۔ اب ایک طرف تو انسان کی عظمتوں کا یہ عالم ہے اور دوسری طرف قرآن یہ بھی بتاتا ہے: خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا "انسان کمزور پیدا ہوا ہے"۔۔۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ ھَلُوْعًا ۝ "انسان تھڑدلا، کم ہمتا پیدا ہوا ہے"۔۔۔ خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ "انسان میں جلد بازی کا مادّہ ہے جو اس کی طبیعت میں ودیعت شدہ ہے"۔ کہیں فرمایا جاتا ہے: زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّھَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِیْنَ وَالْقَنَاطِیْرِ الْمُقَنْطَرَۃِ مِنَ الذَّھَبِ وَالْفِضَّۃِ وَالْخَیْلِ الْمُسَوَّمَۃِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ط "انسان کے لئے عورتوں سے دلچسپی اور ان کی طرف شہوت کا میلان، اولاد کی محبت اور مال و اسبابِ دنیا کی مختلف صورتوں کی طرف بھی ایک کشش ہے جو اس میں طبعی طور پر ودیعت کر دی گئی ہے"۔ یہ ہے انسان کی حقیقت از روئے قرآن۔۔۔

اب غور طلب اصل مسئلہ کیا ہے! وہ یہ ہے کہ انسان کو اپنی ان خامیوں، اپنی ان کمزوریوں

اپنی خلقت کے ضعف کے حامل ان پہلوؤں سے کشمکش اور کشاکش کر کے، محنت و مشقت کر کے اور اپنی ریاضت سے جو اپنی جو اصل بلندی اور رفعت ہے اسے Attain کرنا ہے اس کا جو اصل مرتبہ اور مقام ہے اس کو حاصل کرنا ہے۔ جیسے سورۃ التین میں فرمایا : لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۝ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ " ہم نے انسان کو اعلیٰ ترین تخلیق پر پیدا فرمایا پھر اُسے نچلوں میں سے سب سے نیچے لوٹا دیا سوائے ان کے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے "۔ پس ایمان اور عمل صالح اس جد و جہد کا عنوان ہے کہ جس کے ذریعے سے انسان اپنی پستی سے اُبھر کر اپنے اس مقام بلند تک پہنچتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بِالْقُوَّةِ (Potentially) تخلیق فرمایا ہے۔ اس محنت، اس مشقت اور اس ریاضت کا نام ہے شریعت، طریقت اور سلوک۔ محنت کرنی پڑے گی۔ چلنا پڑے گا۔ پستی سے بلندیوں تک پہنچنے کے لئے کچھ محنت، کچھ مشقت، کچھ ریاضت لازمی ہے۔

اس کے لئے قرآن مجید جامع ترین لفظ استعمال کرتا ہے فلح ـــــ اب غور کیجئے کہ اس لفظ کا لغوی مفہوم کیا ہے! اس کا ہم عام طور پر ترجمہ کر دیتے ہیں کامیابی ـــ بامراد ہونا لیکن فلح، یعنی ف ل ح، یا فا لام حا ـــ یہ جو عربی زبان میں سہ حرفی مادّہ ہے، اس کا بنیادی مفہوم ہے کسی چیز کو توڑنا، پھاڑنا، کسی چیز کو پھاڑ کر اس میں سے کوئی اور چیز برآمد کرنا۔ چنانچہ عربی زبان کی ضرب المثل ہے جیسے ہمارے یہاں ہے کہ " لوہے کو لوہا کاٹتا ہے " عربی میں کہا جاتا ہے : اِنَّ الْحَدِیْدَ بِالْحَدِیْدِ یُفْلَحُ ۔ " لوہا لوہے ہی سے کٹتا ہے "۔ اسی طرح جدید عربی میں فلاح کہتے ہیں کسان کو۔ چونکہ وہ اپنے ہل کی نوک سے دھرتی کے سینہ کو چیرتا ہے۔ ہل اس کا آلۂ فلح ہے جس سے کسان، کاشت کار، فلاحِ زمین میں شگاف ڈالتا ہے۔ اب اس لفظ کو ذہن میں رکھئے اور غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ انسانی شخصیت کے اندر ایک معنوی حقیقت مضمر ہے جو اس کی اصل شخصیت ہے جو اس کی خودی ہے، جو اس کی انا ہے۔ میں جب اشارہ کرتا ہوں "میں" تو کسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہوں! یہ میرا ہاتھ ہے، یہ میرے پاؤں ہیں، یہ میری آنکھیں ہیں، یہ میرے کان ہیں، یہ میرا سر ہے، یہ میرا بدن ہے تو میں کون ہوں! جس کی یہ تمام چیزیں ہیں ـــ یہ میں، انا، خودی یہ ہے انسان کی اصل حقیقت، انسان کی اصل معنوی شخصیت ـــ لیکن یہ میں یا یہ انا یا یہ

خودی چند مادّی اور شہوانی غلافوں میں لپٹی ہوئی ہے۔ جو انسان کے حیوانی وجود کے اندر ودیعت کئے گئے ہیں۔ وہ حیوانی وجود اسے پستیوں کی طرف کھینچتا ہے۔ سارے حیوانی داعیات ۔ (Animal Instincts) اس کے ساتھ لگے ہوئے ہیں جو اس کو بلندیوں کی طرف نہیں جانے دیتے بلکہ پستیوں کی طرف کھینچتے ہیں۔ اس سے رست گاری حاصل کرنا اور اپنے مادّی اور شہوانی غلافوں کو پھاڑ کر اس میں سے اپنی اصل معنوی شخصیت کو برآمد کرنا اور اس کو نشوونما دینا یہ عمل فلح ہے۔ جیسے آم کی گٹھلی پھٹتی ہے تو اس میں سے آم کا پودا برآمد ہوتا ہے اور جیسے ایک بیج شق ہوتا ہے، اس میں سے پتیاں نکلتی ہیں۔ عربی زبان میں فلح کے بہت ہی قریب کا لفظ ہے "فلق" ۔ فا، لام اور ق۔ فلق کے معنی بھی پھاڑنا ہے، صبح کے لئے قرآن میں آتا ہے: فَالِقُ الْاِصْبَاحِ۔ اللہ رات کی تاریکی کا پردہ چاک کرتا اور دن کی روشنی برآمد کرتا ہے۔ اور اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى "بالتحقیق اللہ دانوں، بیجوں اور گٹھلیوں کو پھاڑتا ہے اور ان میں سے پودے برآمد کرتا ہے"۔ تو فلاحِ انسانی کیا ہے! یہ کہ انسان اپنے مادّی اور شہوانی میلانات اور رجحانات، اپنے حیوانی تقاضوں اور جبلتوں کے خول سے ان کو پھاڑ کر اپنی معنوی شخصیت، اپنی خودی اور اپنی انا کو برآمد کرنا، اس کو پروان چڑھانا اور اس کی تعمیر کرنا ۔ یہ ہے انسان کی فلاح از روئے قرآن حکیم ۔

حکمت چونکہ انسان کی ایک مشترک متاع ہے اس لئے میں آپ کو اپنشد کے ایک جملہ کا انگریزی ترجمہ سناتا ہوں:

Man in his ignorance identifies himself with the material sheats which encompass his real self:

"انسان اپنی نادانی اور جہالت میں اپنے آپ کو ان مادّی غلافوں سے تعبیر کر بیٹھتا ہے جن کے اندر اس کی اصل حقیقت مضمر اور پنہاں ہے اور بایں وجہ اس کی اصل حقیقت اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتی ہے" ۔ سورۃ الحشر میں فرمایا گیا: وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ۔ "اور ان لوگوں کے مانند نہ بن جانا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے خود انہیں اپنی حقیقت اور اپنی عظمت سے غافل کر دیا"۔ یہ ہے قرآن مجید کے ذریعہ تعمیر سیرت کا پروگرام اور اس کا مقصد ہے "فلاح" ۔

آج میں اسی پہ اکتفا کر رہا ہوں۔ اب اس ضمن میں اگر کوئی سوال یا اشکال ہو تو میں حاضر ہوں۔

سوال و جواب

سوال: ڈاکٹر صاحب! آج کے درس میں ایک حدیث کے حوالہ سے تو اللہ تعالیٰ کی صورت کا ذکر آیا ہے اور ایک آیتِ قرآنی سے اللہ تعالیٰ کے ہاتھوں کا ذکر آیا ہے۔ تو کیا اللہ تعالیٰ کا بھی کوئی جسم ہے؟

جواب: یہ بہت ہی مناسب اور متعلق سوال ہے۔ قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر اللہ تعالیٰ کے لئے ایسے الفاظ بھی آئے ہیں کہ جو جسم کے مختلف اعضاء کے لئے بولے جاتے ہیں۔ جیسے ہاتھ ہیں، چہرہ ہے، پنڈلی ہے، مٹھی ہے ـــ لہٰذا ہم ان الفاظ سے یہ مراد لیں گے کہ کوئی حقیقتِ معنوی ہے جس کو ان الفاظ سے تعبیر کیا جا رہا ہے۔ ہم اپنے جسموں پر قیاس کر کے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ۔ یا اسی طرح کا اللہ تعالیٰ کا کوئی چہرہ یا اللہ تعالیٰ کی آنکھ ہم نہیں مان سکتے۔ اللہ تعالیٰ جسم اور جسمانیت سے پاک ہے۔ اعلیٰ ہے، ارفع ہے اور منزّہ ہے: سُبۡحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ؛ ـــ البتہ اجمالاً جب یہ الفاظ آئے ہیں تو ہمارا ایمان رہے گا کہ کوئی حقیقتِ معنوی ہے جن کو ان الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

سوال: ڈاکٹر صاحب! براہِ کرم اس بات کی وضاحت کر دیجئے کہ جسم اور روح کا آپس میں کیا رشتہ ہے؟

جواب: پہلے تو میں یہ عرض کر دوں گا کہ اگر کسی کے ذہن میں یہ مغالطہ ہے کہ روح سے مراد ہے زندگی ـ یعنی حیات (Life) تو یہ بات از روئے قرآن درست نہیں ہے۔ اس مغالطہ کو دور کر لینا چاہیئے ـــ جان بالکل شے دگر ہے۔ جان تو حیوانات اور کیڑے مکوڑوں میں بھی ہوتی ہے اور اب تو ہم یہ بھی معلوم کر چکے ہیں کہ جان تو نباتات میں بھی ہے وہ بھی بے جان مخلوق نہیں ہے ـــ انسان میں جسم کے ساتھ جان بھی ہے۔ اور اس کے علاوہ ایک معنوی حقیقت اس میں اور بھی ہے جس کا خاص تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں تخلیق آدم کے متعلق دو جگہ فرمایا گیا: فَاِذَا سَوَّيۡتُهٗ وَنَفَخۡتُ فِيۡهِ مِنۡ رُّوۡحِىۡ: پس جب میں آدم کے سنوارنے کا کام کر لوں اور اس میں اپنی روح میں سے پھونک دوں ـــ" لہٰذا یہ جو روح ہے یہ جان سے بالکل علیحدہ شے ہے۔ جسم اور جان مل کر تو انسان کا حیوانی Eliment بنے گا اور رُوح کا

ایک مستقل جداگانہ وجود ہے روحانی وجود ـــــ جسم وجان کے ساتھ اس کے تعلق کی اصل نوعیت کیا ہے ؟ اس کو ہم سمجھ نہیں سکتے ـــــ میں آپ کے سامنے یہ عرض کروں گا کہ ہم ابھی تک صحیح معنوں میں یہ بھی نہیں جانتے کہ جسم اور جان کا کیا رشتہ ہے؟ ـــــ ہمارے جسم میں جان کہاں رہتی ہے! تاحال ہمیں یہ بھی معلوم نہیں ہے ـــــ تو جسم کے مقابلہ میں جان ایک لطیف حقیقت ہے اور ابھی تک ہم اسے بھی نہیں جانتے تو اس سے کہیں زیادہ لطیف تر روح ہے لہٰذا اسے ہم کیسے جانیں گے ! یہی وجہ ہے کہ سورۂ بنی اسرائیل میں ایک سوال نقل کیا گیا وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ یہ آپؐ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں" جواب دیا گیا: قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ "اے نبی! کہہ دیجئے کہ روح تو امرِ ربانی میں سے ایک امر ہے اور تمہیں علم میں سے تھوڑا ہی حصہ ملا ہے" یعنی تم اس روح کی اصل حقیقت تک نہیں پہنچ سکتے۔ ایک بڑا پیارا شعر ہے وہ میں آپ کو سنا دیتا ہوں۔ امید ہے کہ بات مزید واضح ہو جائے گی۔ شعر ہے ؎

جاں نہاں در جسم او در جا نہاں!
اے نہاں اندر نہاں اے جانِ جاں

حضرات! آج ہم نے فلاح کا قرآنی مفہوم سمجھا اور تعمیرِ سیرت کا از روئے قرآن جو اصل مقصد ہے وہ ہمارے سامنے آیا۔ اب ان شاء اللہ آئندہ نشست سے تعمیرِ سیرت کا جو قرآنی پروگرام اور لائحہ عمل ہے، اس کی جو مختلف شقیں، پہلو اور گوشے ہیں، ان پر کسی قدر تفصیل کے ساتھ گفتگو ہوگی ـــــ

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ؕ
وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ؕ

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی اپنی دینی معلومات میں اضافہ اور تبلیغ کے لئے اشاعت کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقہ کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

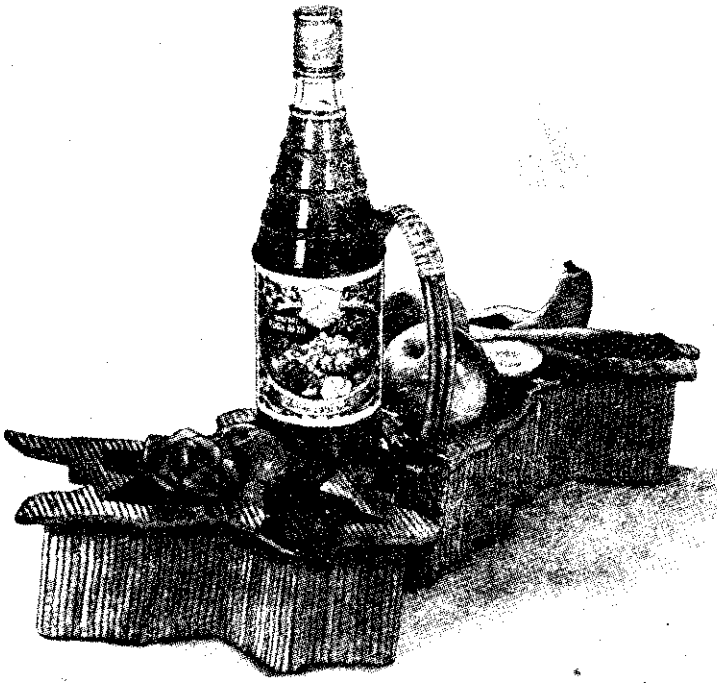

Adarts-HRA-6/86

تاریخ کی قرآنی تعبیر

ڈاکٹر اسرار احمد کی کتاب "استحکام پاکستان" پر تبصرہ

اِس سال محاضراتِ قرآنی منعقدہ اواخر مارچ ۸۶ء میں دیگر مقررین و مقالہ نگار حضرات کے علاوہ محترم سراج منیر صاحب ڈائریکٹر ادارہ ثقافت اسلامیہ نے بھی "استحکام پاکستان" پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔ گو موصوف کا ہم سے یہ پختہ وعدہ ہے کہ وہ اس موضوع پر اپنے خیالات ایک مقالے کی شکل میں مرتب کر کے ہمیں ارسال فرمائیں گے لیکن ایفائے وعدہ میں چونکہ کچھ تاخیر ہو رہی تھی لہٰذا ہم نے فیصلہ کیا کہ سردست جناب سراج منیر کی اُس تقریر کو ٹیپ سے اتار کر ہدیۂ قارئین کر دیا جائے جو موصوف نے اس موضوع پر محاضراتِ قرآنی میں ارشاد فرمائی تھی تاہم وہ وعدہ اپنی جگہ قائم ہے اور ہم بدستور اُن کی جانب سے مقالے کے انتظار میں ہیں۔ اور جیسے ہی وہ مقالہ موصول ہوا اُسے بھی ان شاء اللہ میثاق میں شائع کر دیا جائے گا (ادارہ)

جناب صدرِ محفل، حاضرینِ گرامی اور جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب

ہمارا معاملہ تو یہ ہے کہ ہمیں عادت ہے ادبی کتابوں کی تقریبِ رونمائی میں مقالہ پڑھنے یا گفتگو کرنے کی۔ اُس میں ایک آسانی یہ ہوتی ہے کہ اُن کتابوں کو پڑھنا کچھ ضروری نہیں ہوتا۔ ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ جس ٹائیٹل کے ساتھ جو کتاب آئی ہے اُس میں کیا ہو گا۔ کتاب سونگھ کر اُس پر تبصرہ کیا جاتا ہے۔ لیکن ڈاکٹر ابصار احمد صاحب نے مجھے آج ایک مشکل میں ڈال دیا۔ جب انہوں نے مجھے یہ کتاب دی۔

میں نے ذرا ورق گردانی کی تو مجھے احساس ہوا کہ اس کتاب میں فلوک (FLUKE) نہیں چلے گا کیونکہ یہ کتاب خود فلوک (FLUKE) کی بنیاد پر نہیں لکھی گئی۔ اور دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ جتنا تفکر کسی خیال کے پیچھے ہو اتنی توجہ اُس کتاب کا یا اُس خیال کا حق ہوتا ہے۔ لہٰذا جو رائے اب میں یہاں عرض کروں گا وہ اُسی بنیاد پر ہوگی لیکن میں پہلے ہی عرض کر دوں کہ کتاب کو میں نے اتنی توجہ سے نہیں دیکھا جو اُس کا حق ہے۔ ایسی کتابیں نظر سے گزرتی رہتی ہیں لیکن اس کتاب میں ایک بات ذرا الگ ہے اور اُس پر توجہ ضرور ہونی چاہیئے۔ عام طور پر اس طرح کے عنوانات سے جو کتابیں شائع ہوتی ہیں اُن میں یا تو تاریخ کا بیان ہوتا ہے۔ یا جذباتی انداز میں اُسے دیکھنے کی اور پاکستان کے مسائل کو سمجھنے کی پُرخلوص کوشش ہوتی ہے۔ مگر یہاں آغاز جس چیز سے ہوا ہے وہ علمی طور پر بھی ایک بہت قابل لحاظ (SIGNIFICANT) بات ہے۔ عام طور پر دُنیا میں آج کل اسلام کا تصوّر تاریخ یا قرآن کا تصوّرِ تاریخ تو بیان ہوتا ہے لیکن یہ کتاب قرآن کے تصوّرِ تاریخ سے بات نہیں کرتی بلکہ قرآن کے تصوّرِ تخلیقِ تاریخ سے بحث کرتی ہے۔ بنی اسرائیل کے ذکر کا جو حوالہ ابتدا میں ہے اور اس کے بعد تاریخ کی پوری MECHANICS کو دیکھنے کا جو نقطۂ نظر ڈاکٹر صاحب نے اختیار کیا ہے اُس میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ انہوں نے حکایاتِ قرآنی کو یا بیانات قرآنی کو کسی تاریخ کے تسلسل اور تاریخ کی MECHANICS کے طور پر دیکھا ہے اور یہ دیکھنے کی کوشش کی ہے کہ اس MECHANICS یعنی اس نظامِ تخلیقِ تاریخ کا اطلاق (APPLICATION) اُمّتِ مسلمہ کی حدود میں کس کس طرح ہوگا۔ یہ ایک ایسی بات ہے جس کے بارے میں ہم شاید یہ کہہ سکیں کہ اس سے پہلے کے اُس ادب میں جو دین اور تاریخ کے تصوّر سے بحث کرتا ہے، دین اور تاریخ کا اتنا مربوط اور عالمانہ (SCIENTIFICALLY ORGANISED) تصوّر کہیں اور نگاہ میں نہیں آیا اور جس بنیاد پر ڈاکٹر صاحب نے پاکستان کی تاریخ سے واقعات کا انتخاب کیا ہے اور اُنہیں ایک شکل دینے کی کوشش کی ہے اُس سے اندازہ یہ ہوتا ہے کہ یہ ابھی ایک ابتدائیہ ہے۔ کیونکہ قرآن کے تصوّرِ تخلیقِ تاریخ کو جب ہم موجودہ تاریخ کے حوالے سے دیکھنے کی کوشش کریں اور اس سے نتائج نکالنے کی کوشش کریں تو یہ بات ظاہر ہے کہ کسی بھی نظریئے کے

مقابلے میں یا کسی بھی انسانی ظن و گمان یا محض انسانی تفکر کے مقابلے میں ہمارے قدم زیادہ مستحکم زمین پر ہوتے ہیں اور مجھے یاد نہیں پڑتا کہ اس سے پہلے پاکستان کی تاریخ کا تجزیہ اس صورت میں کیا گیا ہو کہ اس کے پیچھے ہر جگہ کوئی نہ کوئی قرآنی اصول بلا تعبیر و تفسیر کارفرما ہو - یہ احساس ہوتا ہے کہ اس کتاب میں شروع سے لیکر اخیر تک جو اصول بھی برتے گئے ہیں وہ اصول وہم و گمان کی منطق سے پیدا نہیں ہوئے بلکہ اُس سرچشمے سے پیدا ہوئے ہیں جسے دُنیا میں کوئی حفاظت کے نقطۂ نظر سے آفاقیت کے نقطۂ نظر سے اور زمانیت اور لازمانیت کے نقطۂ نظر سے چیلنج کرنے کی پوزیشن میں دیانت کے ساتھ نہیں ہے - لیکن یہ بات صحیح ہے کہ جب اُس تاریخ کا تجزیہ کیا جائے اور اس پر قرآنی اصولوں کا اطلاق کیا جائے تو یہ انسانی کوشش کی DOMAIN ہے لہٰذا اس میں اختلاف بھی ہو سکتا ہے اور خصوصاً تعبیر کی مختلف سطحیں بھی ہو سکتی ہیں - مگر جو نقطۂ نظر اس کے بارے میں ڈاکٹر صاحب نے اختیار کیا وہ عہد جدید میں تاریخ کے یا فلسفۂ تاریخ کے تصوّر سے مختلف ہے - فلسفۂ تاریخ کا عام تصوّر تو یہ ہے کہ تاریخ پڑھ کر اُس سے اُن اصولوں کا استنباط کیا جائے جن سے تاریخ کی حرکت وقوع پذیر ہوتی ہے - چنانچہ اُس سے ہوتا یہ ہے کہ اگر کسی زمانے میں اور اکثر زمانوں میں انسانی تاریخ کے MECHANICS میں کوئی خرابی ہے تو اصول ساز کے اس عمل کے نتیجے میں وہ خرابی اصول میں بھی آجاتی ہے - کیونکہ امر واقعہ یہ ہے کہ تاریخ نے اُس وقت حرکت اس طرح کی - اور اُس سے فلسفۂ تاریخ کے ماہر نے یہ نتیجہ نکالا کہ تاریخ یوں ہی حرکت کیا کرتی ہے - لیکن جب اصول کا تعین آپ نے قرآن سے کیا اور اُس کا انطباق آپ نے تاریخ پر کیا تو تاریخ کی حرکت سند نہیں ہے خدا کا کلام سند ہے - یہ ایک اپروچ کا فرق ہے - تصوّرِ تاریخ یا تاریخی تجزیے کی جو منطق استعمال کی جا رہی ہے اُس میں غالباً پہلی مرتبہ یہ ایک چیز آئی ہے اور آج جہاں ہم یہ کہتے کہ اس ملک میں بحران اور کنفیوژن صحافیوں نے پیدا کیا، سیاستدانوں نے پیدا کیا، مزدوروں نے پیدا کیا یا علماء نے پیدا کیا - لیکن حقیقت یہ ہے سب سے بڑا کنفیوژن (CONFUSION) اس امر سے پیدا ہوا کہ پاکستان تخلیق ہوا، تاریخ کی اُن قوتوں کے ذریعے جو اوپر سے متعین ہوتی ہیں اور

اس کی تعبیر کی گئی اُن قوتوں کے ذریعے جو ادنیٰ درجے سے پیدا ہوئیں۔ چنانچہ اس کی وجہ سے حضرت سلیمان اور داؤد کا قصہ یاد آتا ہے کہ دو عورتیں ایک بچے کو لے کر پہنچیں معروف قصہ ہے۔ اسی طرح محسوس ہوتا ہے کہ تاریخ کے ایوان میں آج دین اور ریاست اپنے بچے کو یعنی فرد کو لے کر پہنچی ہوئی ہیں اصل ماں اُس کی دین ہے جس کا جی نہیں چاہتا کہ اِسے دو ٹکڑے کر دیا جائے جبکہ ریاست اس بات پر مصر ہے کہ یہ بچہ اُس کا ہے اور اگر آدھا بھی اُسے مل جائے تو کافی ہے اس کے پیچھے در حقیقت الجھن یہ ہے جو سمجھ میں نہیں آتی کہ اصل کنفیوژن (CONFUSION) ذہنوں میں تصورِ انسان کے بارے میں ہے۔ اگر آپ کا تصورِ انسان یہ ہے کہ انسان ایک سماجی حیوان ہے تو آپ اس کے علاوہ کسی اور نتیجے پہ پہنچ ہی نہیں سکتے کہ مغربی طرزِ جمہوریت کے علاوہ پاکستان کو چلایا جا سکتا ہے۔ اگر آپ کا تصوّر یہ ہے انسان ایک معاشی حیوان ہے تو اشیاء اور خیالات کی منطق آپ کو اس کے علاوہ کسی نتیجے پر پہنچنے نہیں دے گی کہ پاکستان کا مستقبل مارکسزم ہے۔ لیکن اگر آپ کا تصوّر یہ ہے کہ انسان اشرف المخلوقات اور خلیفۃ اللہ فی الارض ہے تو آپ کے ذہن کی منطق اور آپ کا پورا استدلال آپ کو مجبور کر کے یہاں لے جائے گا کہ اس مملکت کا مقصود اور اس کی بنیاد اس کا ROOT اور اس کا CROWN دونوں غیر مذہبی کسی طرح نہیں ہو سکتے اس لئے کہ دین آدھے پونے چوتھائی آدمی کا مطالبہ نہیں کرتا بلکہ

Absoluteness of Truth demands totality of Faith.

تو یہ جو بحران ہے ہم یہ نہیں کہتے کہ پاکستان کے بارے میں یہ کسی ایسے تصوّر سے پیدا ہو رہا ہے جہاں فسادِ نیت میں ہے یا فہم میں ہے ؏ سخن شناس نہ ای، دلبرا خطا ایں جا است! اصل کنفیوژن (CONFUSION) پاکستان کے تشخص کے بارے میں نہیں ہے اپنے قلب کے تصور کے بارے میں ہے۔ اگر یہ قلب سوائے اللہ کے اور اُس کے رسول کے کسی کے لئے نہیں ہے تو معلوم یہ ہو گا کہ دنیا میں جو چیزیں عزیز ہیں وہ اُسی واسطے سے اور اُسی تعلق سے عزیز ہیں۔ یہ کوئی جذباتی بات نہیں ہے بلکہ اشیاء کی منطق اور انسانی فکر و خیال اور جذبات کا جو باہم تانا بانا (CO-ORDINATION) ہے اس کی بنیادی منطق ہے۔ کتاب کے

خطیب پر ڈاکٹر صاحب نے بہت اچھی بات یہ کی ہے کہ یہ فرق قائم کر دیا ہے کہ اس کتاب کے مخاطبین کون لوگ ہیں ! اس لئے کہ جہاں قصور فہم میں ہو اُس کو دُور کیا جا سکتا ہے۔ جہاں فتورِ ارادے میں ہو ارادے کے اُس فالج کو کسی اجتماعی تحریک کی قوت سے شاید دور کیا جا سکتا ہے۔ لیکن جہاں قصورِ اور فتورِ نیت میں ہو، جس عمارت کی بنیادیں سنگِ فتور رکھا جائے اور پھر اُس کی تقویت کے لئے پوری دنیا کی قوتیں پاکستان کے باہر اور اُن کی لابیاں پاکستان کے اندر اس فسادِ نیت کے خارجی نتائج کی منتظر ہوں اور اُسے پروان چڑھانے کے لئے تیار ہوں اُن سے کوئی مکالمہ نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ یہ قرآن کا ناطق فیصلہ ہے لیکن بعض اوقات مغربی حلقوں سے مکالمے کے دوران آدابِ محفل (SOCIAL CURTESY) اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ ہم ذرا کھل کر اُن سے گفتگو کر سکیں۔ کہ تاریخ کا عمل جب چلتا ہے اور تاریخ کے گھوڑے کی لگامیں ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل ہوتی ہیں تو اُس کا معاملہ کیا ہوتا ہے۔ ابھی ڈاکٹر صاحب کہہ رہے تھے کہ بعض ذرائع ایسے ہوتے ہیں کہ جنہیں کسی نظام کو بہتر طور پر چلانے کے لئے اور اُس نظام میں بہتر نتائج پیدا کرنے کے لئے تو برتا جا سکتا ہے۔ لیکن اُس نظام کو تبدیل کرنے کے لئے اُن کو استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ مسئلہ یہی ہے کہ خود یہاں تک ہم ایک مرحلے سے دوسرے مرحلے تک اور ایک دور سے دوسرے دور میں آئے ہیں اسلام کی تاریخ کے بارے میں ہمارا چاہے جو بھی فیصلہ ہو لیکن ہندوستان میں عہد آخر تک جو تسلسل تھا وہ اُسی اقتدار کا تسلسل تھا جس کا آغاز مدینہ منورہ سے ہوا تھا اور استعمار کے آنے کے بعد اس نئی مملکت کی تخلیق جب ہوئی تو کیا اس تسلسلِ اقتدار کے ٹوٹنے اور اس کے دوبارہ قائم ہونے کے درمیان کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ عالمی سطح پر وہ کونسے نئے تقاضے پیدا ہوئے ہیں جو اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ نظام کے تمام درجات کو، نظام کی تمام سطحوں کو، غور سے دیکھا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ اقتدار کی کیمسٹری پچھلے عرصے میں کیا رہی ہے اور اقتدار کی کیمسٹری موجودہ GEO-POLITICAL SITUATION (علاقائی سیاسی صورتِ حال) میں کیا ہے۔ درحقیقت جب ہم کہتے یہ ہیں کہ اقتدار چھن گیا تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ تاریخ کی قوتوں کو متعین کرنے اور تاریخ کو اپنے قلب اور ایمان کے متعین

کردہ راستے پر لے جانے کے جو طریقے تھے وہ طریقے بدل گئے ہیں۔ اقتدار چھن جانے سے مراد صرف یہ نہیں ہے کہ جو باجگذاری ہوتی تھی اور جو خراج ملتا تھا وہ خراج ملنا بند ہوگیا ہے بلکہ دُنیا کی عالمی (GLOBAL) سیاست میں اسلام جس طرح تاریخ کی قوتوں کے رُخ متعین کرتا تھا اُس طرح تاریخ کی قوتوں کے رُخ متعین کرنے کے جو ذرائع تھے وہ ہمارے ہاتھ سے جاتے رہے اور پاکستان کی تخلیق اس مکان کی تخلیق تھی کہ دوبارہ اُسی طرح تاریخ کے گھوڑے کی لگامیں اور باگیں شاید مسلمانوں کے ہاتھ میں آجائیں۔ لیکن ؎

وہاں دیوار اٹھا دی مرے معماروں نے گھر کے نقشے میں مقرر تھا جہاں در ہوگا

یعنی جو ابتدائے کار تھا اُسے ٹیڑھا کر دیا۔ ڈاکٹر صاحب نے جو تجزیہ کیا ہے اُس کی روشنی میں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آئندہ جس کتاب کا یہ وعدہ کر رہے ہیں اور جس کا حوالہ اس کتاب میں بھی موجود ہے وہ کیا شے ہے! اور کیا کیا کیفیوژن اس ملک میں پیدا ہوئے۔ اس مسئلہ پر۔ قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ کیا اصل مقصود یہ ہے کہ دُنیا میں انسانوں کے تخلیق کئے ہوئے نظاموں کے برابر لاکر الوہی پیغام کو کھڑا کر دیا جائے یا اصل مقصود یہ ہے کہ جناب آدم علیہ السلام کی آمد سے لے کر آج تک دُنیا کی تاریخ خدا کے متعین کردہ جس راستے پر چلی جا رہی ہے اُس راستے پر ہمارا جو رول ایک مملکت کی حیثیت سے اور ایک اجتماع کی حیثیت سے بنتا ہے ہم اُس رول کو ادا کریں۔ اور کیا یہ نہیں ہوا کہ اس مملکت میں نظام اور فقہ کی اصطلاح کے تحت ایک التباس پیدا ہوا۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ بدنیتی سے پیدا ہوا لیکن تاریخ کی حقیقت اپنی جگہ موجود ہے کہ یہ التباس جو پیدا ہوا یہ نقصان دہ ہے۔ جس وقت ضرورت یہ تھی کہ اُن قوتوں کی تشکیل کی جاتے جو صورتِ حال کو متغیر کر سکیں ظاہر میں بھی اور باطن میں بھی اور اسلام کا اس مملکت کے حوالے سے ایک بین الاقوامی رول متعین کر سکیں اُس وقت کوشش یہ ہو رہی تھی کہ فروعات اور جزئیات کا کوئی فیصلہ ہو جائے۔ جب ایک مرتبہ آپ نے اُس DOMAIN میں یعنی اُس دُنیا میں قدم رکھ دیا جو ظاہر میں پھیلتی ہوئی DIVERSITY اور ہزارہا اختلافات کی دنیا ہے تو اُس کا نتیجہ سوائے کنفیوژن کے کچھ نہیں ہو سکتا۔ اُس کی اپنی ایک ضرورت ہے لیکن اُس کا اپنا ایک وقت ہے تو

نتیجہ کیا ہوا کہ تخلیقِ مملکت کے بعد پہلی کوشش جو تھی تخلیقِ قدر کی، یہاں میں آپ سے عرض کر دوں کہ جب ہم تخلیقِ قدر کہتے ہیں تو اُس سے مراد یہ نہیں ہوتی کہ عدمِ محض سے قدر کو تخلیق کرنا ہے بلکہ انسانی صورتِ حال میں انسانی اجتماع میں جو قدریں گمراہیوں کی وجہ سے متروک ہوتی جا رہی ہیں — اس لیئے کہ قدر تو خیرِ مطلق کی انسانی EXTENTION ہے —— اور ارادہ ساکت ہوتا جا رہا ہے اِن دونوں کے ربط کو درست کیا جائے لیکن قانون کے ذریعے تخلیقِ قدر نہیں ہو سکتی - ہاں تحفظِ قدر ہو سکتی ہے - پاکستان پینل کوڈ کے ذریعے تحفظِ پاکستان ہو سکتا ہے تخلیقِ پاکستان نہیں ہو سکتی - یہ ایک بنیادی کنفیوژن تھا جس نے قانون کو آئیڈیل سے ہم آہنگ کر دیا قانون اور آئیڈیل کو یک معنی کر دیا - چنانچہ ہم چلتے تھے پایاب پانی میں اور رُخ کرتے تھے سمندر کا - نتیجہ اُس کا یہ ہونا تھا عزائم اور نعرے بلند اور حاصل کم - اس چیز نے ایمان اور یقین کا دیوالہ نکال دیا کہ دعوے توحق کی کامیابی کے ہیں اور مشاہدے باطل کی کامرانی کے ہیں - سوال یہ ہے کہ آپ کا وہ تصورِ تاریخ جو خارج میں نتائج پیدا نہیں کر سکتا عین ممکن ہے کہ پختہ ایمان کے لوگوں میں اُن کے ایمان بالغیب کو DISTURB نہ کرے لیکن یہ تو ممکن ہے کہ اُن کے یقین کا جنازہ نکال دے کیونکہ یقین کا مدار اور یقین کی بنیاد تجرباتی مشاہدات یعنی EMPIRICAL FACT اور EMPIRICAL VERIFICATION پر ہے اگر ہم یہ کہیں تو ہم سے بڑا احسان فراموش کوئی نہیں ہوگا کہ اس ملک کے عوام اسلام سے زندہ دلچسپی نہیں رکھتے - روزانہ اس بات کے مشاہدے ہوتے ہیں الحمد للہ جو کیفیت قلب ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرتِ صدیقِ اکبرؓ کے بارے میں بھی تو یہی فرمایا تھا کہ ولکن شیٔ فی القلب کہ اُن کے دل میں کوئی چیز ہے - تو جو اجتماعی کیفیتِ قلب ہے اسکے بارے میں الحمد للہ دلوں کو اطمینان ہے اور ذہنوں کو یہ اندازہ ہے کہ وہ کیفیتِ قلب کتنی گہری ہے اور کتنی بڑی نعمت ہے - لیکن اُس کے مظاہرِ خارجی کی تخلیق کرنے والی جو قوتیں رہیں بعض اوقات فتور نیت سے اور بعض اوقات فتورِ فہم سے انہوں نے وہ راستے اختیار کیئے جو اسلام کی آفاقیت سے مطابقت نہیں رکھتے تھے - ایک بات یاد رکھیئے کہ دُنیا کے کسی کونے میں ایک آدمی بھی جب اسلام کا اصل موقف اختیار کرے گا تو اُس کا مقابلہ

اور معاملہ صرف وہاں کی قوتیں نہیں کریں گے بلکہ چونکہ اسلام کے ہر اصول میں ایک آفاقیت کارفرما ہے۔ لہٰذا ابدی کی آفاقی قوتیں اُس کے مقابل صف آرا ہو جائینگی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر آپ ایک موقف اختیار کریں اور وہ آپ کے محلے تک محدود رہ جائے تو وہ اسلامی نہیں ہوگا کیونکہ اگر وہ موقف درست ہے، اسلامی ہے یعنی اگر وحی اتری ہے تو ابوجہل کو تکلیف ہونی ضروری ہے اگر تکلیف نہیں ہو رہی تو وحی نہیں اتری۔ تو صورتِ حال یہ ہے کہ یہ ممکن نہیں ہے کہ آپ ملک کا راستہ کوئی اور متعین کریں، معیشت کا راستہ کوئی اور متعین کریں سیاست کسی اور رُخ سے چلائیں اور خارجہ پالیسی کسی اور چیز کا اتباع کرتی ہو۔ اس وقت پاکستان کے استحکام سے بحث کرنے کا مطلب یہ ہے کہ پاکستان کی باطنی سالمیت اور اُس کے خارجی وجود کا تحفظ کیا جائے جو کہ دُنیا کی بڑی قوتوں کے درمیان گھرا ہوا ہے لیکن اس کی صورت حال اس وقت الحمدللہ بہت اچھے امکانات سے پُر ہے۔ آج سے دس سال پہلے یہ اندازہ نہیں ہوتا تھا لیکن اروگرد کی مسلمان اقلیتوں میں شعور کی جو لہریں پیدا ہو رہی ہیں اُن سے صرفِ نظر کرنا اب ممکن نہیں ہے۔ پاکستان کے رول کو اُس کے استحکام کو جب تک اُن سے جوڑ کر نہیں دیکھا جائے گا اس کے معنی واضح نہیں ہوں گے کیونکہ اگر اس کے معنی واضح ہونگے تو ملّت کے ایک حصّے کی حیثیت سے ہوں گے آپ کا کیا خیال ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ روس کی نظریں گرم پانیوں کے سمندر پر ہیں۔ یہ لوگ ذہنی طور پر اٹھارویں صدی کے اواخر میں رہتے ہیں۔ انہیں معلوم نہیں ہے کہ آج کی دُنیا کی ٹیکنالوجی میں گرم پانی اور ٹھنڈے پانی کے کوئی معنی نہیں رہ گئے ہیں، یہ سٹار وار کا زمانہ ہے۔ معاملہ صرف اتنا ہے کہ بزعم خویش روس ایک نظریاتی ملک ہے اور اُس کی آبادی میں مسلمانوں کی CONSOLIDATED آبادی کا بہت بڑا حصّہ موجود ہے ایک جگہ پر اور انکے درمیان ان کی نسل بھی مشترک ہے ان کا کلچر بھی مشترک ہے اور دین بھی مشترک ہے۔ ایک نظریاتی مملکت کی حیثیت سے اُسے اس بات کا خوب اندازہ ہے کہ کسی دینی اور نظریاتی مملکت کا بالکل اُس کے ساتھ واقع ہونا کتنے بڑے خطرے کی بات ہے۔ یہ تو بارود خانے کے برابر تنور لگانے والی بات ہے چنگاری کا پتہ نہیں ہوتا۔ ۱۹۲۰ء اور ۱۹۴۵ء والی چنگاری کا کسے پتہ تھا۔ یہ جو آگ اندر جل رہی ہے اس کا

تعلق گرم پانیوں سے نہیں اس کا تعلق کسی شعلے سے ہے۔ کیونکہ

؎ ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

دراصل جس تصورِ تاریخ کی بنیاد پر یہ ملک بنا اُس کے سرچشمے اور اس کے Soul RCE کے مطابق اگر ہم اپنا تصورِ تاریخ قائم نہیں کریں گے تو عقل شریف میں کچھ آئے گا عمل شریف میں کچھ آئے گا۔ حقیقت معاملہ یہ ہے کہ پاکستان بنا تو تاریخ کی اُس حرکت سے جس کا سرچشمہ قلب ہے۔ یہ جو لوگ آج استہزار کے ساتھ کہتے ہیں کہ فلاں چیز محض ایک نعرہ تھی۔ نعرے کی حقیقت پر بھی تو غور کیجئے کبھی ہونٹ سے نکلتا ہے، کبھی حلق سے نکلتا ہے، کبھی دِل سے نکلتا ہے اور کبھی دِل پھاڑ کر نکلتا ہے۔ تھا تو نعرہ لیکن یہ آواز آ کہاں سے رہی تھی! یہ نعرہ ملّت کا پھڑکتا ہوا دل تھا۔

چنانچہ جب یہ ہوا کہ تصورِ تاریخ آپ نے کہیں سے لیا اور نتائج تاریخ کسی اور ذریعے سے برآمد کئے تو ان کے درمیان جو اختلاف پیدا ہوا اُس اختلاف کا لازمی نتیجہ انتشار تھا اور اُس انتشار نے دو نتائج پیدا کئے ایک نصب العین کی خیرگی۔ آج اگر پاکستان کا کوئی باطنی بحران ہے تو وہ یہ ہے کہ نصب العین خیرہ ہو گیا ہے۔ ملک کو محفوظ بچا لینا نصب العین نہیں شرط ہے۔ جس طرح سانس لینا زندگی نہیں شرطِ زندگی ہے۔ ملک کو خارجی حملوں سے اور اندرونی سازشوں سے بچا لینا نصب العین نہیں ہے۔ نصب العین تو آفاقی ہوگا۔ نصب العین تو یہ ہوگا کہ پاکستان تو الحمدللہ مستحکم و مضبوط ہے اب اِس کا بین الاقوامی سیاست میں کیا رول ہو۔ پوری دُنیا میں اسلام کی ایک مصلحتِ کلّی ہے جو ایک بسیط حقیقت کے طور پر عمل (OPERATE) کر رہی ہے اُس میں پاکستان کا کیا رول ہو۔ نصب العین کی بحث تو وہاں ہوگی۔ یہ تو ہم صرف شرط پر گفتگو کر رہے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ نصب العین خیرہ ہو گیا ہے۔

کسی آدمی سے آپ یہ پوچھتے کہ پاکستان اگر توانا اور قوی اور مضبوط اور مستحکم ہو جائے تو دُنیا میں کیا کرے گا اُس کے بیان کی اجازت مغربی طرزِ سیاست سے نہیں ملتی۔ اور اگر وہ منزل وہ مقصود سامنے نہ رکھا گیا تو اس ملک کا جواز ہی باقی نہیں رہتا۔ سلیم احمد نے ایک جگہ لکھا تھا کہ ہمارا جمہوریت سے معاملہ مرحوم آغا کی صاحبزادی کا سا ہے

کہ کبھی تو آقا سے وفاداری یاد آتی ہے تو اُس کی خدمت میں لگ جاتے ہیں کبھی بُعد محسوس ہوتا ہے تو ہٹ کر دور بیٹھ جاتے ہیں کہ اب آقا تو رہے نہیں اب اس کی کیا پاسداری کرنی - یہ خیرگی ہے - اور یہ خیرگی ایک باطنی ذہنی اجتماعی کیفیت کے نتیجے میں پیدا ہوئی ہے - اس کیفیت کا بہت عمدہ تجزیہ "استحکام پاکستان" میں کیا گیا ہے اور جماعتوں کے اعتبار سے بڑے واضح اور نمایاں (SIGNIFI-CANT) انداز میں کیا گیا ہے - اگر نصب العین میں باطنی یعنی خیال کی سطح پر اور اجتماعی امنگ کی سطح پر خیرگی پیدا ہو جائے تو خارج میں تنظیم کی سطح پر بھی پیدا ہو جاتی ہے - یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ نتیجہ خیزی کا تعلق خیال سے نہیں ہے نتیجہ خیزی کا تعلق محض عمل سے بھی نہیں ہے - نتیجہ خیزی کا تعلق صرف تنظیم سے ہے - بدی کی تنظیم پیدا کر دیجئے بدی کے نتائج پیدا ہوں گے - تخلیقِ نتائج کا تعلق تنظیم سے ہے، خیر کی قوتوں کو منظم کر دیجئے خیر کے نتائج پیدا ہوں گے - اس لئے جب باطن میں نصب العین کی خیرگی پیدا ہوئی اور ظاہر میں تنظیم میں بحران پیدا ہوا تو نتیجہ خیزی بند ہو گئی اور سمتِ سفر معدوم ہو گئی - پاکستان کی تاریخ کو اب ہم ذرا اس نقطۂ نظر سے دیکھیں گے -

اس خیرگی کی کارفرمائی کا اثر یہ ہوا کہ ملک میں GROUP CONTRADICTION پیدا ہو گیا - آپ خود غور کیجئے کہ قرآن کے بالکل آغاز ہی میں اللہ تعالےٰ یہ بات واضح فرما دیتے ہیں کہ انسانوں میں سے کچھ مومنین ہوتے ہیں کچھ منافقین اور کچھ کفار ہوتے ہیں معاملہ کیا ہے - یہ انسانی فطرت اور انسانی نفسیات کی بنیادی کلید ہے کہ جب ایک موقف اختیار کیا جائے گا تو اس کے تین ردِ عمل پیدا ہونگے - جسے اسلام کی اصطلاح میں ایمان کفر اور نفاق کہتے ہیں - ہمارے ہاں کوشش یہ رہی کہ یہ گروپ الگ الگ متشخص (DEFINE) نہ ہونے پائیں لہٰذا وہ چیز جسے سامنے آکر تاریخ کی حرکت میں اپنی شکلیں اختیار کرتے ہوئے آگے بڑھنا چاہیئے تھا اور اس کے ٹکراؤ سے نتائج پیدا ہونے چاہئیں تھے وہ چیز قومی مزاج سے ساقط ہو گئی اور قرآنی اعتبار سے بعض اوقات اس واجب ٹکراؤ (CONFRONTATION) کو جب AVOID کیا جائے گا - تو اُس کا اثر باطن میں اتر جائے گا، امت کے باطن میں اتر جائے گا، فرد کے باطن میں اتر جائے گا - فرد کے باطن میں اترے گا تو نفاق پیدا ہو گا - امت کے باطن میں اترے

گا تو فروعی اختلافات پیدا کرے گا اور اس سے شرک کی مختلف شکلیں پیدا ہوں گی۔ جو چیلنج سامنے ہے اُس چیلنج کے مقابل ایک چیلنج ہے۔ اگر خدانخواستہ چیلنج پاکستان کے وجود کے لئے ہے تو اُن قوتوں کے وجود کے لئے بھی پاکستان کی طرف سے ایک چیلنج ہو جن کی طرف سے یہ چیلنج پیدا ہو رہا ہے۔

جبتک چیلنج کے جواب میں چیلنج کا تناسب برابر نہیں ہوگا۔ حرکت نتیجہ خیز اور مقصود سے قریب تر کرنے والی نہیں ہوگی۔ تو یہ باتیں طے کرنی ہیں کہ وہ کونسا بنیادی تضاد ہے جسکی بنیاد پر اس ملک میں یا دُنیا میں کہیں آپکا موقف طے ہوگا —— سلام کی بنیاد پر جو تضاد پیدا ہوتا ہے چونکہ اسلام ایک بسیط حقیقت ہے اس لئے وہ چیلنج وہ تضاد بھی آفاقی ہوتا ہے —— تو وہ کون سا بنیادی نقطہ ہے جو آپ کا موقف بنے گا۔ اس کی طرف اشارہ موجود ہیں اور وعدہ ہے کہ اگلی کتاب میں اُس کا ذکر ہوگا۔ وہ چیلنج اور وہ تضاد جب شدت اختیار کرتا ہے تو گروپ کی تنظیم کی نوعیت کیا ہو گی۔ کیونکہ ہمارے ہاں تنظیم کی نوعیت سے مراد سیاسی بھیڑیں پالنا سمجھا جاتا ہے۔ جس طرح موقف وجود کی کلیت چاہتا ہے اسی طرح تنظیم وجود کی کلیت چاہتی ہے۔ یہ نہیں ہوگا کہ آپ کا ایک چوتھائی مفاد دوسرے کے ایک بٹا آٹھ (⅛) مفاد سے وابستہ ہو جائے تو یہ گروپ کی تنظیم ہو گی۔ زندگی اور موت کے سارے وسائل جب وابستہ ہونگے تو تنظیم ہو گی۔ مواخات کا فیصلہ، آپ کا کیا خیال ہے کہ کسی وقت رقتِ قلب سے پیدا ہوا تھا، انسانی فطرت سے پیدا ہوا تھا کہ تمہارا مذہبی موقف ایک ہے تمہاری سیاسی حیثیت ایک ہے۔ تمہاری مملکت میں زندگی اور موت ایک ہے تو آؤ جو چیزیں تمہارے درمیان مشترک ہو سکتی ہیں وہ بھی مشترک ہو جائیں۔ یہ تھا پہلا پتھر پہلی اینٹ تنظیمی اصول کی۔ یہ تفصیلی مسائل ہیں ان پر گفتگو ہو سکتی ہے لیکن خوشی اس بات کی ہے کہ آج پاکستان کی تاریخ کو ایک نئی سطح سے دیکھا جا رہا ہے۔ میں نے پاکستان کی تاریخ کے بارے میں یا مسلمانوں کی تاریخ کے بارے میں کچھ چیزیں دیکھی ہیں اُن کے نیچے حاشیوں کی بھرمار بھی دیکھی ہے۔ ابن خلدون سے لے کر ٹائن بی تک حوالے ہیں۔ لیکن اصل مسئلہ یہ ہے کہ مقصود ہمارا زوال کی توجیہہ کرنا نہیں۔ ابن خلدون سے لے کر ٹائن بی تک دُنیا کے تمام فلسفیانِ تاریخ زوال کی توجیہہ کرتے ہیں۔ زوال سے نکلنے کا راستہ کوئی نہیں بتاتا۔

یہ بالکل ایک اصول ہے۔ یہ تو بتادیں گے کہ زوال کیوں ہوا۔ ابن خلدون نے بتایا کہ جب عصبیت زائل ہوجاتے تو قوم میں زوال آجاتا ہے۔ لیکن عصبیت دوبارہ پیدا کرنے کی کیا شکل ہوگی۔ ابن خلدون اس پر خاموش رہے۔ ٹائن بی نے بتایا کہ اگر معاشرے میں (RESPONSE) پیدا ہونا ختم ہوجاتے تو زوال پیدا ہوجاتا ہے تو اُن سے پوچھا جاتے کہ (RESPONSE) کیسے پیدا ہوتا ہے تو اس کا اُن کے پاس کوئی جواب نہیں۔ دُنیا میں صرف ایک کتاب ایسی ہے جو زوال کی توجیہہ ہی نہیں کرتی۔ زوال سے نکلنے کا راستہ بھی بتاتی ہے اور وہ کتاب ہے قرآن کریم اور اُسی کے سائے میں ہم آج بھی زوال سے نکلنے کا راستہ ڈھونڈ سکتے ہیں ورنہ ہمارے زوال کی توجیہہ یہ تو مغرب کی کئی یونیورسٹیاں پل رہی ہیں۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی صورتِ حال اور عائلی قوانین کا مسئلہ

کل ہند مجلس تعمیرِ ملت کے جنرل سیکرٹری جناب عبدالرحیم قریشی صاحب کا مفصل انٹرویو

مرتب : مفتی مقبول الرحیم

س : میں قارئین کی سہولت کے لیے گزارش کرتا ہوں کہ گفتگو کے آغاز پر ہی آپ اپنا تعارف کروادیں۔

ج : میں آپ کا بہت ممنون ہوں کہ آپ نے مجھے اس بات کا موقعہ دیا کہ میں ہندوستان کے مسلمانوں کے مسائل کے بارے میں کوئی گفتگو کروں۔ جہاں تک میرے تعارف کا تعلق ہے میں مسلمانانِ ہند کی ایک غیر سیاسی، سماجی اور مذہبی تنظیم "کل ہند مجلسِ تعمیرِ ملت" سے وابستہ ہوں اور اس کا جنرل سیکرٹری ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ "آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ" جو ہندوستان میں شرعی قوانین یعنی مسلمانوں کے پرسنل لا کے تحفظ کے لیے کوشاں ہے، کا بھی سیکرٹری ہوں۔ جہاں تک مسلمانانِ ہند کی خدمت کا تعلق ہے اس میدان میں ایک عرصے سے سرگرم عمل ہوں اور اللہ سے یہی دعا کرتا ہوں کہ اللہ مجھے توفیق دے اور زندگی کے جو بھی دن باقی ہیں اور جو بھی صلاحیتیں اور توانائی ہے، اللہ اپنے دین اور اس کے ماننے والوں کی خدمت کے لیے قبول کرلے

س : کچھ خاندانی پس منظر اور لائف کیریر کے بارے میں فرمائیے۔

ج : خاندانی پس منظر کے بارے میں زیادہ کچھ نہیں کہوں گا۔ کیونکہ میں اس بات کا قائل نہیں ہوں کہ خاندانی تفاخر کا جذبہ کوئی بیان کرنے والی چیز ہے۔ بس یوں سمجھیے کہ بہرحال ایک مسلمان گھرانے میں پیدا ہوا اور ایک ایسے مسلمان گھرانے

میں پیدا ہوا کہ میرے والد کو پورے محلّے میں مولوی صاحب کہا جاتا تھا کیونکہ وہ توحید کے معاملے میں بہت ہی سخت تھے۔ تعلیم کے معاملے میں بی ایس سی اور ایل ایل بی ہوں۔ گریجویشن کے بعد میں نے ریاضی میں ایم ایس سی کرنے کے لیے داخلہ لیا تھا لیکن گھر کے کچھ حالات ایسے تھے کہ مجھے ملازمت اختیار کرنی پڑی۔ اکاؤنٹنٹ جنرل کے دفتر سے میں نے ملازمت کا آغاز کیا اور پھر میرے لیے ترقی کے بھی خاصے امکانات تھے۔ لیکن بعد میں حالات کچھ ایسے ہوئے کہ میں نے ملازمت سے استعفیٰ دے دیا ہُوا یہ کہ ۱۹۵۸ء میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا ایک اجلاس ہُوا تھا اور اس موقعے پر ہم لوگوں نے وہاں ایک مظاہرہ کیا اور یہ مظاہرہ تھا اُس تباہی کے خلاف جو "پولیس ایکشن" کے نتیجے میں حیدرآباد میں آئی تھی اور اُس تباہی کے نتیجے میں جن مسلمانوں کی جائداد یں ناجائز قبضے ہو گئے تھے اور پھر اُس کے نتیجے میں جو ہزارہا مسلمان خواتین بیوہ ہو گئی تھیں اُن کے مسائل کے حل کے لیے یہ مظاہرہ کیا گیا تھا۔ اُس نمائندگی اور اُس مظاہرے میں میری شمولیت کی اطلاع جب دفتر کو پہنچی تو انہوں نے بہتر یہ سمجھا کہ مجھے حیدرآباد سے ہٹا دیا جائے۔ چنانچہ میرا تبادلہ ایک بہت ہی دُور کے مقام پر کر دیا گیا ترقی کے ساتھ۔ لیکن میں نے مناسب سمجھا کہ اب اِس بیڑی کو کاٹ دیا جائے اور اس کے بعد پھر کچھ دن سیاست سے منسلک رہا جبکہ اِس وقت میں ایک ہمہ وقتی کارکن کی حیثیت سے "مجلس تعمیرِ ملّت" میں خدمات انجام دے رہا ہوں۔

س : اِس وقت آپ جس معاملے کو سُلجھانے میں لگے ہُوئے ہیں، اُس کے حوالے سے میں یہ معلوم کرنا چاہوں گا کہ "شاہ بانو کیس" میں بھارتی سپریم کورٹ نے فیصلہ کس بنیاد پر دیا تھا۔

ج : اِس مسئلے کی وضاحت کے لیے اُس کے پس منظر کا جاننا بہت ضروری ہے جہاں تک نفقے کا تعلق ہے، غیر منقسم ہندوستان کے ضابطہ فوجداری یعنی ــــ (CRIMINAL PROCEDURE CODE) میں ایک دفعہ تھی ۴۸۸۔ اُس دفعہ میں جہاں اور بہت سی چیزیں تھیں، وہاں یہ بھی تھا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو نان نفقہ نہ دے تو اس میں یہ گنجائش رکھی گئی تھی کہ بیوی مجسٹریٹ سے رجوع کر کے

نان نفقہ کی ادائیگی کا حکم حاصل کرسکتی ہے۔ تقسیم ملک کے وقت یہی قانون رائج تھا۔ پھر ہندوستان میں بھی یہ ایک عرصے تک رائج رہا۔ ۱۹۷۳ء میں ہندوستان نے اِس ضابطہ فوجداری کی نئی تدوین کی۔ جس وقت یہ نئی تدوین کی جارہی تھی اُس وقت مسودے میں 'بیوی' کی تعریف یوں کی گئی کہ وہ عورت بھی بیوی ہی سمجھی جائے گی۔ جس نے خود طلاق لے لی ہو یا جسے مرد نے طلاق دے دی ہو۔ مگر اُس عورت نے دوسری شادی نہ کی ہو۔ تو گویا اُس وقت قانون یہ بنا کہ کوئی ایسی مطلقہ عورت جس نے دوسری شادی نہیں کی ہے، وہ دوسری شادی تک یا بصورتِ دیگر تاحیات اپنے سابقہ شوہر سے نفقہ پائے گی۔ جب یہ چیز ہمارے علم میں آئی تو "مسلم پرسنل لاء بورڈ" نے جو تمام مسلم جماعتوں کا مشترکہ پلیٹ فارم ہے، شرعی عائلی قوانین کے تحفظ کے لیے مسلمانوں کی نمائندگی کرتے ہوئے اُس وقت کی وزیرِاعظم مسز اندرا گاندھی سے ملاقات کی۔ انہوں نے ہمارے مطالبے کی معقولیت کو تسلیم کرتے ہوئے پارلیمنٹ میں نئے ضابطۂ فوجداری کی تیسری خواندگی کے دوران ترمیم کروائی اور ایک ذیلی دفعہ کا اضافہ کیا کہ اگر پرسنل لاء یا مروّجہ قانون کے تحت جو واجبات عائد ہوتے ہیں اگر وہ دے دیئے جائیں تو ایسی صورت میں تاعقدِ ثانی یا تاحیات نفقہ دینے کا حکم مجسٹریٹ منسوخ کردے گا۔ اُس پر ہم مطمئن تھے کیونکہ زوجہ کی تعریف میں مطلقہ کو شامل کرنے سے شریعت پر جو اثر پڑ سکتا تھا اُس کی تلافی کردی گئی تھی۔ اب جب "شاہ بانو" کا مقدمہ سپریم کورٹ میں آیا اور سپریم کورٹ میں اُس پر جو فیصلہ دیا وہ کئی اعتبار سے انتہائی قابلِ اعتراض ہے۔ سب سے پہلی بات یہ کہ فیصلے کی جو زبان ہے اُس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ایک ایسے شخص نے یہ فیصلہ لکھا ہے جو اسلام سے انتہائی بُغض اور عناد اپنے دل میں رکھتا ہے۔ چنانچہ فیصلے کے پہلے ہی پیراگراف میں ایک انتہائی غیر معروف انگریز مصنف کے حوالے سے یہ لکھا گیا ہے کہ "اسلام کا مہلک ترین پہلو عورتوں کی اہانت ہے"۔

"The most fatal point of Islam is degradation of women."

یہ اُس فیصلے کا جُملہ ہے۔ پھر انہوں نے یہ کہا ہے کہ اگر پرسنل لاء کا تصادم ملک کے کسی قانون سے ہوتا ہے تو ملک کا قانون فوقیت رکھے گا اور پرسنل لاء کا تعلق ظاہر ہے

مسلمانوں کی شریعت سے ہے ملکی قانون سے نہیں ۔ اِس کے علاوہ ایک اور بات جو انتہائی تشویش اور اندیشے کی تھی وہ یہ تھی کہ سپریم کورٹ نے مسلمانوں کی ان تمام کتابوں کا حوالہ دیتے ہوئے کہ جن میں یہ صاف لکھا تھا کہ مطلقہ عورت کے نان نفقے کی ذمہ داری شوہر پر صرف عدّت کے دنوں تک ہی رہتی ہے ۔ یہ بھی کہا کہ قرآن حکیم سے یہ حکم بھی نکالا جا سکتا ہے کہ سابقہ شوہر تا عقدِ ثانی یا تا حینِ حیات مطلقہ کو نان نفقہ دینے کا پابند ہے اور اس کے لیے سورہ بقرہ کی آیت " مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ " یہاں اب ہمارے سامنے صرف مطلقہ کے نفقے کا معاملہ نہیں تھا بلکہ معاملہ یہ تھا کہ کیا ہم سپریم کورٹ کو اِس بات کی اجازت دیں کہ وہ قرآن کی من مانی تشریح اور پھر اُس من مانی تشریح کے ذریعے ہم پر ایک قانون مسلّط کرے ۔ اور یہ کہے کہ یہ قانون قرآن سے اخذ کیا ہُوا قانون ہے اور ہندوستان کی عدلیہ میں یہ پہلی مرتبہ ہوا ہے کہ ایک عدالت نے اِس بات کی کوشش کی ہے کہ اپنے طور پر قرآن کی ایک آیت کے معنیٰ و مفہوم کو متعیّن کرے ۔ اور ظاہر ہے ایک مسلمان کے لئے چاہے وہ کتنا ہی بڑے سے بڑا ادارہ ہو اگر اُس ادارے کے لوگ قرآن کو آسمانی اور الٰہی صحیفہ نہیں مانتے اور اُس پر ایمان نہیں رکھتے اور قرآن کے فہم کے لیے جو بنیادی صلاحیتیں ہونا ضروری ہیں اُن سے محروم ہیں تو ظاہر ہے ایسے کسی ادارے کو ہم ایسے اختیارات نہیں دے سکتے ۔ کہ وہ ایسی کوئی تعریف کرے یا ایسی کوئی تاویل کرے ۔ اِس فیصلے سے ہمیں یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ اس مرحلے پر ہم اگر سیلاب کے آگے پشتہ نہ باندھیں اور اس فیصلے کے اثر کو زائل کروانے کی کوشش نہ کریں تو پھر خدانخواستہ، خدانخواستہ ہمیں وہ دن بھی دیکھنا پڑے گا جبکہ قرآن کی ہر آیت کو اِسی طرح مسخ کیا جائے گا ۔ اور اسی طرح غلط تاویل کر کے اُس کو مسلمانوں کے اوپر ٹھونسا جائے گا ۔ قرآن کی یہ غلط تاویل کرتے ہوئے سپریم کورٹ نے کہا کہ اسلام میں اس بات کی گنجائش ہے کہ مطلقہ عورت سابقہ شوہر سے تا عقدِ ثانی یا تا حینِ حیات نان نفقہ حاصل کرنے کی حقدار ہے ۔ جب یہ تاویل مسلمانوں کے سامنے لائی گئی تو مسلمانوں کے اندر ہیجان پیدا ہوا بے چینی پیدا ہوئی " مسلم پرسنل لا بورڈ " نے یہ مہم شروع کی اور اس مہم کو منظم کیا کہ حکومتِ

ہندنئی قانون سازی کے ذریعے اِس فیصلے کے اثر کو زائل کر دے۔ اِس مسئلے کی وجہ سے صرف یہ کہ جماعتی لحاظ سے مسلمانوں کے اندر اتحاد پیدا ہُوا بلکہ مسالک کے لحاظ سے بھی بڑا قرب پیدا ہُوا۔ چنانچہ "مسلم پرسنل لا بورڈ" کے اندر شیعہ حضرات بھی ہیں اور انہوں نے پوری مہم میں بہت بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا اور اس کے ساتھ "داؤدی بوہری جماعت" بھی ہمارے ساتھ شریک رہی ہے اور اِس وقت تک ہماری شریک کار ہے۔ وزیرِ اعظم سے ہماری ملاقات کے بعد وزیرِ اعظم نے یہ محسوس کیا کہ اِس معاملے پر مسلمان متحد و متفق ہیں اور جب تک اِس فیصلے کے مضر قانونی اثرات کو ختم نہیں کیا جائے گا قانون سازی کے ذریعے مسلمان مطمئن نہیں ہوں گے تو حکومت کی جانب سے ایک مسوّدہ قانون پیش کیا گیا ہے جس میں ہمارے اُس بنیادی مطالبے کو تسلیم کر لیا گیا ہے۔ مطلقہ کے نفقہ کے بارے میں سابقہ شوہر کی ذمہ داری کی مدّت صرف عدّت کی مدّت تک رہتی ہے اُس کے بعد نہیں البتہ اِس مسوّدہ قانون میں کچھ سقم پائے جاتے ہیں۔ اِس لیے ہم نے پرسنل لا بورڈ کی طرف سے کئی ترامیم تجویز کی ہیں۔ اور اب ہم توقع رکھتے ہیں کہ مئی میں پارلیمنٹ کے اجلاس میں اِس پر بحث ہوگی اور انشاء اللہ امید ہے کہ ہمارے مطالبے کے مطابق اصلاح ہو جائے گی۔

س: غالباً دنیا کے کسی بھی مذہب میں یہ پابندی نہیں ہے کہ شوہر مطلقہ عورت کو تاحیات یا تا عقدِ ثانی نان نفقہ دے۔ اِس لیے فوراً ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہندوستان میں بسنے والے دیگر مذاہب کے پیروکاروں نے آپ کا ساتھ کیوں نہیں دیا۔ یا آپ نے اُن کا تعاون حاصل کیوں نہیں کیا۔

ج: ہندوستان میں اس وقت کیفیت کچھ اور ہے۔ وہاں اس وقت رائج قانون کے لحاظ سے مسلمانوں کو چھوڑ کر دوسرے تمام شہریوں کے لیے یعنی دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کے لیے لازم ہے کہ اگر وہ بیوی کو طلاق دیتے ہیں تو انہیں تا عقدِ ثانی یا تاحیات نفقہ دینا پڑے گا۔ چنانچہ جب یہ سپریم کورٹ کا فیصلہ آیا اور اُس کے خلاف مسلمانوں نے یہ آواز اُٹھائی کہ یہ ہماری شریعت میں مداخلت ہے۔ ہم تو یہ سمجھتے تھے کہ ہمارا یہ مطالبہ یا

ہماری کشمکش حکومت کے ساتھ ہے اور ہم چاہتے تھے کہ دوسرے مذاہب کے عوام بھی ہمارا ساتھ دیں اور ہم نے اس کے لیے بہت کوشش بھی کی لیکن انتہائی افسوس کی بات یہ ہے کہ ہندو سماج کا ایک بڑا طبقہ یہ سمجھتا رہا کہ سپریم کورٹ کا فیصلہ دراصل اُن کی جیت ہے۔ اور اس فیصلے کے ذریعے ہندو سماج کو ایک موقعہ ہاتھ آیا ہے کہ مسلمانوں کی تہذیبی اور تمدنی انفرادیت کو ختم کر دے۔ چنانچہ وہاں کے پریس نے بجز اردو پریس کے جو کہ مسلمانوں کے کنٹرول میں ہے، نے بڑی شدید مہم چلائی اور ایک انتہائی افسوس کی بات یہ ہے کہ سپریم کورٹ کے اس فیصلے کو اور شاہ بانو کے نام کو ہندو صحافت نے اسلام پر تنقید کے لیے اور اسلام پر بے جا حملوں کے لیے استعمال کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری خواہش اور کوشش کے باوجود ہمیں دوسروں کا تعاون نہیں مل سکا۔

س : نان نفقے کا یہ قانون دوسرے مذاہب کے لوگوں پر عملاً نافذ بھی ہوتا ہے یا نہیں ؟۔

ج : قانون تو یہی ہے۔ لیکن ہندو سماج میں طلاق کا تصور سرے سے موجود ہی نہیں۔ اب قانوناً یہ تصور پیدا کیا گیا ہے مگر عملاً ہندو معاشرے میں طلاق شاذ و نادر ہی ہوتی ہے لیکن ہو جائے تو قانون نافذ کیا جاتا ہے۔

س : عیسائی اقلیت کا کیا ردِ عمل ہے۔

ج : عیسائی بھی اب بیدار ہوئے ہیں اور اپنی انفرادیت قائم کرنے کی طرف مائل ہوئے ہیں۔ چنانچہ گزشتہ ماہ اُن کی بھی ایک کانفرنس ہوئی تھی جس میں انہوں نے مطالبہ کیا ہے کہ ہمیں بھی مسلمانوں کی طرح اِس قانون سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔

س : پاکستانی پریس میں خبر چھپی ہے کہ شاہ بانو نے ادائیگی مہر کا نیا مقدمہ دائر کیا ہے جس میں تین ہزار طلائی سکوں کی مانگ کی گئی ہے۔ اِس سلسلے میں کچھ براہ راست معلومات آپ فراہم کرنا پسند کریں گے۔

ج : شاہ بانو نے تاحیات نفقے کا جو پروانہ حاصل کیا تھا سپریم کورٹ سے اُس سے تو وہ دستبردار ہو گئی ہے لیکن اب اس نے مہر کی رقم کے بارے میں مقدمہ دائر کیا ہے

اس کا کہنا یہ ہے کہ جس وقت نکاح ہُوا تھا اُس وقت چاندی کے سکّے مہر میں باندھے گئے تھے اِس لیے آج بازار میں اُن سکّوں کا جو نرخ ہے اُس لحاظ سے یعنی چاندی کی قیمت کے حساب سے ادائیگی کی جائے۔ اور یہ مطالبہ اُس کا جائز ہے۔ اِس میں مداخلت فی الدّین کا کوئی پہلو نہیں ہے۔ عدالت صرف رقم کا تعیّن کرے گی۔

س: "شاہ بانو" کیس اتفاقاً شروع ہوا یا اِس کے پس منظر میں کوئی پلاننگ یا سازش تھی؟"

ج: نہیں! یہ مقدمہ تو بالکل اتفاقاً شروع ہُوا تھا۔ اس کے پیچھے کوئی سازش نہیں تھی۔ البتہ اِس کے بعد جو مختلف مقدمات سپریم کورٹ میں آئے ہیں اور ابھی التوا میں پڑے ہیں وہ سب باقاعدہ منصوبہ بندی اور سازش کے ذریعے اور ایک مہم کے طور پر دائر کیے گئے ہیں۔ مہاراشٹر میں ایک تنظیم ہے "مسلم ستیہ شودھک منڈل"۔ لیکن صرف نام کے ساتھ لفظ مسلم لگایا گیا ہے اور اس مہم کو چلانے والے اور آگے بڑھانے والوں میں کوئی مسلمان نہیں ہے۔ یہ انجمن بنائی تھی ایک شخص نے جس کا نام تھا حمید بلم۔ اس نے کئی دفعہ اعلان کیا تھا کہ میں مسلمان نہیں ہوں گو میرا نام مسلمانوں جیسا ہے۔ اب اُس کی بیوی جس کا نام مہرالنّساء ہے اِس تنظیم کو چلا رہی ہے لیکن اسلام سے وہ کس حد تک وابستہ ہے اِس کا اندازہ آپ اِس سے لگا سکتے ہیں کہ اُس نے اپنی بیٹی کی شادی خود ایک ہندو سے کی اور اِس پر فخر کا اظہار کیا کہ میں اپنی بیٹی کی شادی ایک ہندو سے کر رہی ہوں اِس کے پیچھے جو لوگ ہیں وہ زیادہ تر آر ایس ایس سے متعلق یا پھر جنتا پارٹی کے لوگ ہیں۔ چنانچہ اِس وقت "ستیہ شودھک منڈل" کی طرف سے جو بھی سرگرمی ہے، اُسے جنتا پارٹی کے مشہور لیڈر ڈنڈاوتی کی اہلیہ کی تائید اور آشیرواد حاصل ہے۔ اِس تنظیم نے کچھ مسلمان عورتوں کو تیار کیا ہے اور اُن کے ذریعے اِس وقت تین مقدمات سپریم کورٹ میں دائر کیے جا چکے ہیں اور ان تینوں مقدمات میں مطالبہ یہی ہے کہ شریعت کے قانون کے نفاذ کے بارے میں انگریزوں نے جو قانون بنایا تھا جسے نفاذِ شریعت ایکٹ (SHARIAT APPLICATION ACT) کہا جاتا ہے اُسے منسوخ کیا جائے۔

س: ایک ہندو مسلم شادی کا ذکر کیا ہے آپ نے۔ ابھی کچھ دن پہلے مشہور ترقی پسند ادیب سجاد ظہیر کی بیٹیوں کے بارے میں خبر چھپی تھی کہ انہوں نے ہندوؤں سے شادیاں کی ہیں۔ یہ بھارتی مسلمانوں میں کوئی عام رو ہے یا صرف ایک مخصوص طبقہ ہے جو یہ کام کر رہا ہے۔

ج: جہاں تک ہندوؤں سے شادی بیاہ کا معاملہ ہے یہ مسلمانوں میں عام بات نہیں ہے۔ یہ صرف ترقی پسند طبقے تک یا اشتراکی خیالات کے حامی طبقے تک محدود ہے یا جدید تہذیب سے متاثر اُس فیشن پرست اور امیر طبقے میں بھی یہ چیز پائی جاتی ہے جن کے گھروں سے دین کی تعلیم و تربیت کا اہتمام ختم ہو چکا ہے۔ ہندوستان کا عام مسلمان اِس وبا سے بالکل محفوظ ہے۔ صرف چند خاندان ہیں جو نسلی اعتبار سے تو مسلمان ہیں لیکن عملاً دین سے ان کا کوئی تعلق باقی نہیں رہا۔

س: مسلم معاشرے میں ایسے لوگوں کا تناسب کیا ہے؟

ج: بمشکل دس ہزار میں ایک۔

س: کیا کچھ اونچے مسلم سیاسی گھرانے بھی اِس کام میں شریک ہیں۔

ج: نہیں۔ سیاسی سطح پر ایسی کوئی بات نہیں۔ صرف وہی گھرانے جو ترقی پسند خیالات کے حامل ہیں یا فیشن زدہ ہیں وہیں تک یہ چیز محدود ہے۔

س: ہندو مسلمانوں کو لڑکی دیتے بھی ہیں یا صرف لڑکی لینے کا معاملہ ہے۔ یا دونوں طرح کا سلسلہ ہوتا

ج: دونوں طرح کا معاملہ ہے۔ اصل میں لڑکی لینے کا معاملہ اُس وقت ہوتا ہے، جب کسی مسلمان لڑکی کو کسی ہندو یا غیر مسلم لڑکے کے ساتھ رہنے کا موقع ملتا ہے۔ جیسے کسی دفتر میں ایک ساتھ کام کرنے کا موقع ملتا ہے اور وہ دونوں ایک دوسرے کے قریب آ گئے اور انہوں نے شادی کر لی۔ لیکن جہاں تک لڑکی لینے کا معاملہ ہے تو ایسی صورت میں بالعموم لڑکی اسلام قبول کر لیتی ہے۔ اور ایسے واقعات آئے دن ہوتے رہتے ہیں۔ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ لڑکی ہندو رہے یا اپنے مذہب پہ قائم رہے۔ لڑکی بالعموم مسلمان ہو جاتی ہے۔

س۔ آزادی کے بعد مسلمان معاشرے میں اور بالخصوص مسلم خواتین میں اسلام کے ساتھ

تعلق میں اضافہ ہوا ہے یا کچھ کمی محسوس کرتے ہیں آپ ۔

ج ۔ مسلمانوں میں چاہے وہ مرد ہو یا عورت آزادی کے بعد سے اُس میں اسلام سے وابستگی کا احساس بڑھا ہے ۔ حالانکہ حالات بہت ہی ہمت شکن محسوس ہوتے تھے لیکن مسلمانوں میں اسلام سے وابستگی کے جذبے میں اضافہ ہوا ہے اور خواتین میں بھی یہ بات جذبے اور احساس کی حد تک بالکل صحیح ہے ۔ البتہ رسوم و رواج بڑی حد تک اُسی ڈگر پر ہیں جس ڈگر پر تقسیم سے پہلے تھے ۔ لیکن اب کچھ عرصے سے مختلف تنظیموں کی کوششوں کے نتیجے میں اور شاہ بانو کیس میں آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی تحفظِ شریعت کی ملک گیر مہم کے نتیجے میں خود مسلمان خواتین میں یہ احساس پیدا ہو رہا ہے کہ وہ غیر اسلامی رسوم و رواج کو ترک کریں ۔ اور اگر دیکھا جائے تو معاشرے میں پائے جانے والے مختلف رسوم اور رواجات کے قائم رہنے کا ایک بڑا سبب عورتوں کا اُن پر سختی سے کاربند رہنا ہے ۔ اور اگر معاشرے کے اس طبقے یعنی خواتین کی اصلاح ہو جائے تو بڑی حد تک ان چیزوں کا خاتمہ ہو سکتا ہے ۔ چنانچہ مسلم پرسنل لاء بورڈ میں یہ تجویز زیرِ غور ہے کہ اب اس مہم کو زیادہ تیزی سے چلایا جائے کہ مسلمانوں کو ہر لحاظ سے اور مسلم خواتین کو بطورِ خاص اسلام سے شعوری طور پر وابستہ کیا جائے اور اُن کو اس بات پر آمادہ کیا جائے کہ وہ اسلام پر کاربند رہیں اور جو غیر اسلامی طور طریقے اور رسوم و رواجات اُن کے معاشرے میں راہ پا گئے ہیں اُن کو ترک کریں ۔ اس اعتبار سے دیکھیں تو نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ آزادی کے بعد سے اسلام سے وابستگی میں اضافہ ہوا ہے ۔

س ۔ ہندوستان سے آئے دن دلہنوں کو جہیز نہ لانے یا کم جہیز لانے کی پاداش میں زندہ جلا دینے کی خبریں آتی رہتی ہیں ۔ ایسے واقعات مسلمانوں کے ہاں بھی ہوتے ہیں یا صرف ہندوؤں کے ہاں یا دوسرے مذاہب کے پیروکاروں میں بھی یہ لعنت پیدا ہو گئی ہے ۔

ج ۔ اللہ کا انتہائی فضل و کرم ہے کہ دلہنوں اور بیویوں کا جلانے کا ایک بھی کیس مسلمانوں کے ہاں نہیں ہوا ۔ یہ چیز صرف ہندو معاشرے کی حد تک ہی محدود ہے ۔ دیگر مذاہب میں بھی ایسا کوئی واقعہ سننے میں نہیں آیا ۔ البتہ ہندو معاشرے میں یہ

بیماری بہت بڑھتی جارہی ہے۔ چنانچہ اس شاہ بانو کیس کے سلسلے میں جب ہماری یہ مہم چل رہی تھی تو ہندوؤں کے اعتراضات کے جواب میں ہم یہی کہتے تھے کہ آپ جو تاعقد ثانی یا تاحیات نفقے کے لزوم کی بات کرتے ہیں اگر ہم بھی اسے مان لیں تو ہمارے معاشرے کا بھی وہی حشر ہوگا جو تمہارے سماج کا ہو رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں مرد بیوی کو چھوڑے گا نہیں۔ وہ تو یہی سمجھے گا کہ میں چھوڑوں بھی اور نفقے کی ذمہ داری بھی قبول کروں۔ کیوں نہ اُسے مصیبت میں مبتلا رکھوں۔ چھوڑنے کی تو ایک ہی صورت باقی رہے گی جو دلہنوں کو زندہ جلانے کی صورت میں ہندو معاشرے میں پائی جاتی ہے۔

س۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی عمومی کیفیت کیسی ہے۔

ج۔ اگر ہم تقسیم ملک سے بہت پہلے کے حالات کا موازنہ آج کے حالات سے کریں تو ہوسکتا ہے کہ کچھ لوگوں کو مایوسی کی صورتِ حال نظر آئے۔ لیکن تقسیم ہند کے فوراً بعد جو مسلمانوں کی کیفیت تھی اُس کے مقابلے میں آج کی کیفیت اور حالات بہت اُمید افزا ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ فسادات ہوتے ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں پر سرکاری ملازمتوں کے دروازے بند کردیئے گئے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تعلیمی نصاب میں ہندوؤں کے مشرکانہ تصورات کی تبلیغ موجود ہے تاریخ کے نصاب سے مسلم دور کو نکال دیا گیا ہے لیکن ان تمام باتوں کے باوجود آج مسلمان میں ہندوستان کے اندر بحیثیت مسلمان زندہ رہنے کا حوصلہ پایا جاتا ہے اور یہ چیز بہت خوش آئند ہے کہ اب مسلمان میں یہ حوصلہ پیدا ہوگیا ہے کہ وہ فسادات میں صرف مار نہیں کھائے گا بلکہ مقابلہ کرے گا اور ہندوستان میں زندہ رہنے کے لئے اپنی مساویانہ حیثیت کو منوالے گا۔ مسلمانوں کے اندر اس عزم اور حوصلے کا پایا جانا میرے نزدیک ایک بہت اُمید افزا بات ہے۔ اس نے مایوسی کا خاتمہ کردیا ہے۔

س۔ تقسیم کے بعد یوپی میں جہاں مسلمانوں کی زمینیں تھیں حکومت نے زمینداری کو ختم کردیا اور پھر ملازمتوں کے دروازے بھی مسلمانوں پر بند ہوگئے اس کے نتیجے میں مسلمان تجارت کی طرف بھی راغب ہوتے ہیں یا نہیں یا ان کا رجحان دستکاری

کی طرف زیادہ ہوا ہے۔

ج ۔ ملازمتوں کے دروازے بند ہونے اور زمینداری کے خاتمے کے نتیجے میں مسلمان ایک معاشی مشکل کا شکار تو ہوا لیکن فوراً ہی انہوں نے متبادل ذریعے تلاش کر لیئے ہیں۔ اُن ذرائع میں چھوٹی تجارت ہے دبڑی تجارت میں تو اب بھی مسلمان بہت پیچھے ہیں، دستکاریاں ہیں اور بعض چھوٹی صنعتیں ہیں۔ ان شعبوں میں مسلمان آگے آ رہے ہیں لو اب مسلمان نے صرف سرکاری ملازمتوں پر تکیہ کرنا چھوڑ دیا ہے۔

س ۔ یعنی ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہندوستان کا مسلمان مجموعی طور پر مفلوک الحال نہیں ہے بلکہ متوسط طبقے میں شامل ہے۔

ج ۔ جی ہاں۔ آپ کا اندازہ درست ہے۔

س : اپنی نئی نسل کو اپنے دین اور اپنی زبان سے آشنا رکھنے اور نصاب میں شامل ہندو دانہ اثرات سے محفوظ رکھنے کے لئے کیا کر رہے ہیں۔

ج ۔ مسلمانوں کی جانب سے اس طرح کی کوششیں مسلسل ہو رہی ہیں۔ خود میرا تعلق جس تنظیم سے ہے اُس کا پہلا مقصد ہی اسلامی تعلیمات کی اشاعت ہے اور اُس میں بھی ہم اس بات پر زور دیتے ہیں کہ نوخیز نسل کو دین سے واقف کرایا جائے۔ اُن کی دینی تعلیم کا بندوبست کیا جائے۔ چنانچہ جز وقتی اور شبینہ مکتب ہماری تنظیم کے تحت چلائے جاتے ہیں۔ اسی طرح اور بھی دینی اور مقامی ادارے اس کام پر توجہ دیتے ہیں۔ لیکن ہندوستان جتنا وسیع اور عریض ملک ہے اور مسلمان جس طرح سے پھیلے ہوئے ہیں دیہات دیہات، اُس لحاظ سے اس کام کو اور بھی وسیع پیمانے پر کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ جو زہر پھیلایا جا رہا ہے اُس کا جب تک ہم تریاق فراہم نہیں کریں گے اور نئی نسل کی دینی تعلیم و تربیت کے ضمن میں اپنی ذمہ داریوں کو پورا نہیں کریں گے ہندوستان میں ہمارا مستقبل محفوظ نہیں ہو سکتا۔

س ۔ آپ کا تعلق حیدرآباد دکن سے ہے جہاں تقسیم ملک کے وقت تک اقلیت میں ہونے کے باوجود مسلمانوں کی حکومت تھی جسے تقسیم کے فوراً بعد ختم کر دیا گیا

اُس کا ایک شدید منفی اثر بھی ہوا وہاں کے مسلمانوں پر۔ اس حوالے سے اب حیدر آباد کے مسلمانوں کی کیا حالت ہے۔

ج - یہ سوال آپ نے بہت اچھا کیا۔ ۱۹۴۸ء میں حیدر آباد میں پولیس ایکشن کے نام سے جو فوجی کارروائی ہوئی اور جس کے نتیجے میں ریاست حیدر آباد کو ہندوستان میں شامل کیا گیا۔ یہ سانحہ اور المیہ ہمارے لئے محض اقتدار کی تبدیلی یا حکمران کی تبدیلی نہیں تھی بلکہ ہمارے لئے یہ ایسا ہی صدمہ تھا جیسا کہ عالم اسلام کے لئے بغداد کا سقوط۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ صحیح یا غلط ہم نے نظام کی حکومت اور نظام کو دین سے وابستہ کر لیا تھا۔ ہم یہ سمجھتے تھے کہ ریاستِ حیدر آباد اسلام کی آخری نشانی ہے اور ہمارے ذہنوں میں یہ بھی تصور بٹھایا گیا کہ بادشاہ کے اوپر چالیس اولیاء اللہ کا سایہ ہوتا ہے اور بادشاہ کو کوئی گزند اور کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا چنانچہ اسی قسم کا دعویٰ حیدر آباد کے آخری فرمانروا میر عثمان علی خاں نے اپنے ایک شعر میں بھی کیا ہے کہ

سلاطینِ سلف سب ہو گئے نذرِ اجل عثمان
مسلماتوں کا تیری سلطنت سے ہے نشاں باقی

ایسی سلطنت جب بھارتی فوج کے ایک حملے کی بھی تاب نہ لا سکی اور ختم ہو گئی تو اُس کا جو اثر نوجوانوں پر اور بالخصوص تعلیم یافتہ نوجوانوں پر مترتب ہوا وہ یہ تھا کہ جو سلطنت اسلام کا نشان ہو اسلام کی قوت کا نشان ہو اگر ایک فوجی حملے کی تاب نہ لا سکے اُس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کے اندر کوئی حقانیت نہیں ہے کوئی صداقت نہیں۔ چنانچہ اُس پولیس ایکشن کے جہاں دوسرے بہت سے پہلو ہیں کہ صاحب مسلمان لٹ گئے تباہ ہو گئے۔ معاشی طور پر بالکل برباد ہو گئے۔ ان تمام چیزوں سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ تھی کہ مسلمانوں کے نوجوان طبقے کا اپنے دین پر سے یقین اور اعتماد ختم ہو گیا تھا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ تقسیم ملک کے فوراً بعد ریاست حیدر آباد کے اندر کمیونسٹ پارٹی کو بڑی تقویت ملی۔ ظاہر ہے کہ مسلمان اسلام پر سے اعتماد اٹھنے کے بعد اُسی طرف لپکنے لگے اُسی طرف دوڑنے لگے۔ اس سلسلے میں خلیل اللہ حسینی صاحب کا بہت بڑا کارنامہ ہے کہ انہوں نے وقت کی نزاکت کو بھانپتے

ہوئے آگے بڑھ کر مسلم نوجوانوں کو بتایا کہ ریاستِ حیدرآباد کی شکست اس وجہ سے نہیں تھی کہ یہ مسلمانوں کے اقتدار کی آخری نشان تھی بلکہ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ ہم نے اسلام کو چھوڑ دیا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے مسلسل کوشش کی کہ مسلمانانِ حیدرآباد کا اسلام پر اعتماد بحال ہو۔ ان کی کوششیں بارآور ثابت ہوئیں اور جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ دین پر اعتماد انسان کے اندر خود اعتمادی پیدا کرتا ہے۔ اپنے آپ پر اپنی صلاحیتوں پر اعتماد پیدا کرتا ہے۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ آج حیدرآباد کا مسلمان زندگی کے ہر میدان میں نہ صرف جا رہا ہے بلکہ اپنی صلاحیتوں کو منوا رہا ہے۔ اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ہندوستان سے باہر حیدرآباد کے مسلمانوں نے نہ صرف یہ کہ اپنی صلاحیتوں کو منوایا بلکہ جہاں جہاں بھی وہ ہیں امریکہ میں یورپ میں انگلینڈ میں مشرق وسطیٰ میں وہ کسی نہ کسی اسلامی تحریک، کسی نہ کسی اسلامی جماعت یا کسی نہ کسی اسلامی کام کے اندر جُتے ہوئے ہیں اور پوری لگن کے ساتھ اسلام کے لئے اپنی صلاحیتوں کو استعمال کر رہے ہیں۔

س۔ اس وقت حیدرآباد کے اندر مسلمانوں کی صورتحال کیسی ہے۔

ج۔ اس وقت موجودہ صورتحال مسلمانوں کی یہ ہے کہ مسلمان وہاں نہ صرف اپنے آپ کو منوانا چاہتا ہے بلکہ اپنے پورے دینی اور تہذیبی تشخص کے ساتھ منوانا چاہتا ہے۔ چنانچہ بہت سی تجارتوں میں جہاں پولیس ایکشن سے پہلے مسلمان نہیں تھے۔ آج مسلمان آپ کو ملیں گے۔ صنعت کے اندر پولیس ایکشن سے پہلے ایک بھی مسلمان نہیں تھا لیکن آج چھوٹی صنعتوں کے اندر ماشاءاللہ مسلمان خوب لگے ہوئے ہیں اور اسی طرح سے اردو کے تحفظ کے لئے حیدرآباد کا مسلمان ڈٹا ہوا ہے۔ تو ایک عام تاثر جو تھا کہ پولیس ایکشن کے بعد حیدرآباد کا مسلمان مر جائے گا تو وہ مرا نہیں ہے۔ اللہ نے اُس کو زندہ رکھا ہے اور اللہ ہی اُس کا محافظ ہے۔

س۔ نظام کے خاندان اور پسماندگان کی کیا سماجی اور سیاسی حیثیت ہے۔ حیدرآباد میں مسلمانوں کی قیادت میں اُن کا بھی کچھ ہے یا نہیں۔

ج۔ نہیں۔ اب تو نظام کے اہل خاندان کی حیثیت بھی عام شہریوں کی سی ہے

بہت سے لوگ اُن کے ہندوستان سے باہر رہتے ہیں۔ اب سیاست یا قیادت میں اُن کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

س: آسام میں جو جوانوں کی حکومت بن گئی ہے۔ اس مسئلے کا بھی مسلمانوں سے ایک خاص تعلق ہے آپ نے بھی اس ضمن میں خاصا کام کیا ہے۔ اب وہاں مسلمانوں کا مسئلہ کس مقام پر ہے۔ نئی حکومت اپنے الیکشن سے پہلے والے موقف پر ہی قائم ہے یا اُنہیں حقائق کا کچھ احساس ہوا ہے۔

ج: نئی حکومت کو کچھ تھوڑا سا حقائق کا احساس ہوا ہے اور نئی حکومت اس بات کا اعلان کر رہی ہے کہ اس سے پہلے جو وعدے اُن لوگوں کے بارے میں کیے گئے جو کہ غیر آسامی ہیں وہ اُنہیں نبھانے کی کوشش کرے گی۔ البتہ نئی حکومت پر عہدہ سنبھالنے کے بعد کچھ حقائق منکشف ہوتے ہیں۔ آسام کے مسلمانوں کے مسئلے میں ایک بات کی وضاحت بہت ضروری ہے کیونکہ یہ پہلو بہت کم سامنے آیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ وہاں جو مسلمان بنگالی نژاد ہیں جنہیں عموماً غیر ملکی یا بنگلہ دیشی کہا جاتا ہے وہ یعنی ۱۹۱۰ء سے ۱۹۳۵ء تک کے دور میں آکر وہاں آباد ہوئے تھے یہ اُن کی اولاد ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ نسلاً بنگالی ہیں ان کی زبان بنگالی ہے لیکن اس بنیاد پر اُنہیں بنگلہ دیشی قرار نہیں دیا جا سکتا کہ اُن کے آباؤ اجداد کا تعلق اُس علاقے سے رہا ہے جو آج بنگلہ دیش میں شامل ہے۔ کیونکہ جس وقت ہندوستان آزاد ہوا ہے وہ آسام کے باشندے تھے۔ آسام کے اندر ان کی سکونت تھی اور اس اعتبار سے وہ ہندوستانی شہری ہیں۔ اب سلسلے میں جو پروپیگنڈا کیا جاتا ہے اُس میں اس حقیقت کو کسی نے چیلنج نہیں کیا اصل میں کہا یہ جاتا ہے کہ صاحب وہاں کے مسلمانوں کی آبادی میں اضافے کی جو شرح ہے وہ بالکل غیر فطری معلوم ہوتی ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ مسلمانوں کی آبادی میں دس سال کے اندر پینتیس فیصد یا چالیس فیصد اضافہ ہوا۔ یہ اضافہ اُس صورت میں ممکن ہے۔ کہ جب کہ مسلمان دوسرے علاقوں سے وہاں پہنچیں۔ اس تعلق سے میں نے اعداد و شمار شائع کیے ہیں اُس میں مَیں نے یہ ثابت کیا ہے کہ دراصل ۱۹۵۱ء

میں جو مردم شماری ہوئی تھی وہ مردم شماری بہت ناقص تھی۔ اُس میں مسلمانوں کی بڑی آبادی کو شمار نہیں کیا گیا۔ اُس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب ۱۹۶۱ء کی مردم شماری کے اعداد و شمار سامنے آئے تو محسوس ہوا کہ مسلمانوں کی تعداد میں بہت بھاری اضافہ ہوا ہے۔ ۱۹۵۱ء کی مردم شماری میں اُن مسلمانوں کو بھی شمار نہیں کیا گیا جو نہرو لیاقت معاہدے کے تحت مشرقی پاکستان سے واپس آکر آباد ہوئے تھے۔ اُس معاہدے کے مطابق وہ سب ہندوستانی شہریت رکھتے ہیں اُنہیں ہندوستانی شہری شمار کیا جانا چاہیئے ہمیں اُمید ہے کہ نئی حکومت ایسی پالیسی اختیار کرے گی جس سے مسلمانوں کے شکوک و شبہات دُور ہوں۔

س۔ بنگلہ دیش کا قیام برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کے لئے ایک بہت بڑا سانحہ تھا۔ ہندوستان کے مسلمانوں پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوئے۔

ج: بنگلہ دیش کا قیام ایک سانحہ ضرور تھا لیکن ہندوستان کے مسلمانوں پر اس کا مثبت اثر پڑا۔ ہندوستان میں مسلمانوں کے بارے میں یہ تاثر تھا کہ یہ ہر معاملے میں پاکستان کی طرف دیکھتے ہیں اور اس بات میں بھی کچھ صداقت ضرور تھی کہ ہر فساد کے بعد مسلمانوں کی کچھ تعداد پاکستان ہجرت کر جانے پر آمادہ ہو جاتی تھی تاکہ محفوظ و مامون رہے۔ لیکن بنگلہ دیش بننے کے بعد پاکستان کے بارے میں یہ احساس جو مسلمانوں کی ایک مختصر تعداد میں پایا جاتا تھا وہ بالکل ختم ہو گیا۔ اور ان میں یہ احساس پیدا ہوا کہ ہمیں جو کچھ بھی کرنا ہے اور جس طرح بھی رہنا ہے اسی ہندوستان میں رہ کر کرنا ہے۔ تو اس کا یہ ایک مثبت اثر ہندوستان کے مسلمانوں پر مرتب ہوا ہے اور جو لوگ پہلے یہ الزام لگاتے تھے کہ ہندوستان کے مسلمان پاکستان کی طرف دیکھتے ہیں اب اُن کیلئے اس قسم کی الزام تراشی کا کوئی موقع بھی باقی نہیں رہا۔

س: بنگلہ دیش کے مسلمانوں سے آپ کے روابط کی نوعیت کیا ہے۔

ج۔ ابھی تک تو کوئی ایسا موقع ہی نہیں آیا کہ اُن سے ربط پیدا ہو سکے۔

س۔ ہندوستان میں اُردو کا مستقبل بھی مسلمانوں کے ساتھ وابستہ ہے۔ لیکن ہندی کے نفاذ اور اس کے دیوناگری رسم الخط کے حوالے سے مسلمانوں کی نئی نسل

جس طرح اُردو سے بیگانہ ہو گئی ہے۔ اس تناظر میں آپ کو ہندوستان میں اُردو کا مستقبل کیا نظر آتا ہے۔

ج ۔ اُردو کے مستقبل کا جہاں تک مسئلہ ہے تو بول چال کی زبان کی حیثیت سے اور مسلمانوں کی گھر کی زبان کی حیثیت سے تو اُس کا مستقبل محفوظ ہے لیکن اس سے ہٹ کر اُردو کی جو نوعیت ہے ذریعہ تعلیم کے طور پر اور ایک علمی زبان کی حیثیت سے تو اس کے بارے میں کسی اُمید کا اظہار کرنا بہت مشکل ہے اُس کی وجہ یہ ہے کہ اُردو کو جو مراعات ملنی چاہئیں ہندوستان کی قومی زبان کی حیثیت سے وہ مراعات نہیں ملیں ۔ یوپی جسے اُردو کا گہوارہ کہا جا سکتا ہے وہاں آج تک سرکاری طور پر اُردو کو کوئی سرپرستی میسر نہیں آئی، بہار میں اُردو کو دوسری زبان تسلیم کیا گیا ہے لیکن کچھ شرائط کے ساتھ دوسری طرف خود مسلمانوں میں یہ رجحان پایا جاتا ہے کہ بچوں کے بہتر مستقبل کی خاطر انگلش میڈیم سکولوں میں بچوں کو پڑھایا جائے ۔ والدین یہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح بچے کے لئے اعلیٰ تعلیم کے زیادہ مواقع میسر آئیں گے ۔ ان وجوہات کی وجہ سے اُردو ذریعہ تعلیم کی حیثیت سے پیچھے ہوتی جا رہی ہے ۔ اب اس بات کا خدشہ ہے کہ آئندہ اردو میں تعلیم دینے کا سلسلہ ختم ہو جائے گا ۔ اب مسلمانانِ ہند کو اس بات کا فیصلہ کرنا ہے کہ وہ اُردو کو ذریعہ تعلیم قرار دینے پر مصر رہیں یا یہ کہ انگریزی یا کسی اور زبان کو بطور ذریعہ تعلیم اختیار کرتے ہوئے بھی اُردو کو ہائی سکول تک ایک لازمی مضمون کے طور پر پڑھایا جائے ۔ اس وقت اُردو کے بطور ایک علمی زبان باقی رہنے یا ذریعہ تعلیم قرار پانے کے بارے میں تو کوئی امید افزا بات نہیں کی جا سکتی لیکن بول چال کی زبان کی حیثیت سے اُردو کا دائرہ کار بڑھ رہا ہے بہت سے ایسے علاقے جہاں آزادی سے پہلے اردو کا چلن نہیں تھا ۔ وہاں بھی اردو پھیل رہی ہے ۔ چنانچہ اس سلسلے میں میں مہاراشٹرا کے جنوبی علاقے کوکن کا ذکر کروں گا ۔ لیکن یوپی اور مدھیہ پردیش جیسے علاقوں میں حکومت اُردو کے ساتھ جو سلوک کر رہی ہے اُسے دیکھ کر بہت مایوسی ہوتی ہے ۔

س : رسم الخط کے علاوہ اُردو اور ہندی میں کیا فرق ہے ۔

ج : رسم الخط سے قطع نظر اگر عام بول چال کی حد تک دیکھا جائے تو اُردو اور ہندی میں کوئی خاص فرق نہیں - چنانچہ وہ تمام فلمیں جنہیں ہندی کا سرٹیفکیٹ ملتا ہے - اگر اُن کی زبان کو دیکھا جائے تو پچانوے فیصد فلموں کی زبان آپ کو اردو ہی ملے گی - لیکن سرکاری سطح پر جو زبان استعمال کی جاتی ہے ریڈیو پر ٹیلیویژن پر یا وزراء اور حکومت کے دیگر عہدیدار جس زبان میں تقریریں کرتے ہیں وہ زبان انتہائی مشکل اور سنسکرت آمیز ہوتی ہے اور اُس کا کوئی تعلق عوام کی زبان سے نہیں ہوتا - بول چال کی حد تک اُردو اور ہندی کوئی فرق نہیں - مگر سرکار جس زبان کو رائج کرنے کی کوشش کر رہی ہے بہت مختلف ہے - خود ہم لوگوں کو بعض اوقات ہندی نشریات کو سمجھنا بہت مشکل ہو جاتا ہے - یہ ایک واقعہ ہے کہ ایک عمارت کا سنگ بنیاد رکھنے کے بعد پنڈت نہرو نے سنگ بنیاد پر لکھی ہوئی عبارت پڑھنے کے بعد پوچھا کہ اس پر کیا لکھا ہوا ہے -

س : ہندوستان جیسے ملک میں جہاں بہت سی زبانیں بولی جاتی ہیں بالعموم کون سی زبان رابطے کی زبان کے طور پر استعمال کی جاتی ہے -

ج - بالعموم تو انگریزی ہی سمجھی جاتی ہے اور سرکاری سطح پر بھی رابطے کا کام انگریزی سے ہی لیا جاتا ہے - لیکن اب ہندی کو رائج کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے -

س : سیاسی انقلابات کے اثرات سے زبانوں کے بننے اور بگڑنے کا عمل تو جاری رہتا ہے - لیکن اُردو کے رسم الخط کے ساتھ جو ہمارا علمی اور ادبی ورثہ اور دینی لٹریچر وابستہ ہے اُس ورثے کو نئی رسم الخط اور مقامی زبانوں میں منتقل کرنے کے سلسلے میں کچھ کام ہو رہا ہے -

ج : اس سلسلے میں کافی کام ہو چکا ہے - ہمارے دینی سرمائے کی مختلف کتابیں جو اُردو میں رائج تھیں اُن میں اکثر کتابیں ہندی میں منتقل ہو چکی ہیں اسی طرح سے علاقائی زبانوں میں اُنہیں منتقل کیا جا چکا ہے - لیکن اس سلسلے میں اہم ترجیحات یہ ہے کہ ہر مسلمان کی خواہش ہوتی ہے کہ اپنے بچے کو قرآن مجید پڑھائے - اور قرآن مجید جب پڑھایا جاتا ہے تو عربی حروف سے بچے کو واقفیت حاصل ہوتی ہے - اُن کے جوڑوں کی شناخت بھی بچے کو ہو جاتی ہے - تو اس طرح سے ایک مسلمان بچہ

قرآن مجید پڑھنے کے ساتھ ساتھ ان الفاظ سے بھی واقف ہو جاتا ہے جو اُردو کی بنیاد ہیں۔ اس مرحلے پر اگر والدین تھوڑی سی توجہ دیں تو بچہ بہت آسانی سے اُردو رسم الخط سے واقف ہو سکتا ہے۔

س : اُردو کے ساتھ جامعہ عثمانیہ کا ذکر ناگزیر ہے۔ اب جامعہ عثمانیہ کی کیا حیثیت ہے اور ترجمہ کا جو عظیم کام اس جامعہ میں شروع ہوا تھا وہ کچھ آگے بڑھ رہا ہے

ج : دراصل سیاسی تبدیلی کے بعد اُردو ذریعہ تعلیم کو تو ختم کر دیا گیا ہے اور اُس کے بعد دارالترجمہ میں بھی کوئی کام تو نہیں ہو رہا۔ اور سب سے افسوسناک بات یہ ہے کہ دارالترجمہ نے مختلف علوم اور فنون کی اصطلاحات کے ترجمے کا جو عظیم الشان کام کیا تھا اُسے بھی ضائع کر دیا گیا۔ پولیس ایکشن کے چند ہی سال کے بعد یہ خبر اخبارات میں شائع ہوئی تھی کہ ایک اتفاقی حادثے کے نتیجے میں دارالترجمہ کا سارا ذخیرہ جل گیا ہے۔ لیکن ہمیں شبہ ہے کہ یہ اتفاقی حادثہ نہیں تھا بلکہ ایک سازش کے تحت اُس ذخیرے کو جلایا گیا۔ اب اُس جامعہ عثمانیہ میں جو قائم ہی کی گئی تھی اُردو میں اعلیٰ تعلیم کے لئے اردو کا کوئی کام نہیں ہوتا۔

س : اردو کا جو علمی سرمایہ نذرِ آتش کر دیا گیا اُس کی نقول کہیں اور بھی موجود ہیں

ج : اُس ذخیرے میں سے جو چیزیں چھپ چکی ہیں وہ تو محفوظ ہیں لیکن مسوّدات کی صورت میں ایک بہت بڑا ذخیرہ جو ابھی چھپا نہیں تھا وہ سب ضائع ہو گیا۔

س : جامعہ عثمانیہ کے علاوہ مسلمانوں نے تعلیم اور تحقیق کے مراکز قائم کئے تھے جن میں علی گڑھ ندوۃ العلماء دیوبند، جامعہ ملیہ، مدرسہ اصلاح وغیرہ شامل ہیں انکی کیا کیفیت ہے اور مسلم معاشرے میں اُن کا کیا مقام ہے۔

ج : ان اداروں کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم میں تو دیوبند، ندوۃ العلماء اور مدرسۃ الاصلاح شامل ہیں۔ یہ خالص دینی تعلیم کے ادارے ہیں۔ یہاں دینی علماء تیار کئے جاتے ہیں اور اسی لحاظ سے اُن کا نصاب اور طریقہ تعلیم۔ ان میں سے دیوبند ایک بحران کا شکار ہو گیا تھا پچھلے دنوں اور اس کے نتیجے میں دارالعلوم دیوبند کے دو حصے ہو چکے ہیں۔ ایک تو قدیم عمارت میں چل رہا ہے اور دوسرا حصہ

چل رہا ہے دیوبند کی مسجد میں۔ اس کے پیچھے کچھ سیاسی محرکات بھی ہیں۔ بہرحال دیوبند ہو یا ندوہ یہ اپنی ڈگر پر ترقی کر رہے ہیں۔ آج کل ہندوستان میں ابتدائی دینی تعلیم کے مدارس کھولنے کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ ہر بڑی آبادی میں بڑے قصبے میں آپ کو دینی تعلیم کا ایک آدھ ادارہ ملے گا۔ اسی طور سے علی گڑھ ہے۔ اس مسلم ادارے کے مسلم اقلیتی کردار کو بھی ختم کر دیا گیا تھا۔ کئی سال کی جدوجہد کے بعد اس کا یہ کردار بحال کیا گیا ہے اُس کے بعد کچھ حالات بہتر ہوئے ہیں۔ جامعہ ملیہ اور علی گڑھ دونوں کی نوعیت ندوے یا دیوبند سے الگ ہے کیونکہ یہ دونوں ہی یونیورسٹیاں ہیں اور یہاں جدید عصری تعلیم کا بندوبست ہے۔ اگر مختلف شعبوں کے اعتبار سے دیکھا جائے تو جامعہ ملیہ بھی ترقی کی راہ پر گامزن ہے لیکن اُس کا مایوس کن پہلو یہ ہے کہ اس میں پڑھنے والے طلبہ میں مسلمانوں کا تناسب گھٹتا جا رہا ہے حالانکہ نام جامعہ ملیہ اسلامیہ ہے۔ اور مسلم طلبہ میں بھی زیادہ تناسب طالبات کا ہے طلبہ کی تعداد نسبتاً کم ہے۔ یہ صورت حال ظاہر ہے کہ کوئی اچھی صورت حال نہیں ہے۔ دلّی اور اطراف کے مسلمانوں کو اس طرف توجہ دینی چاہیئے کیونکہ اعلیٰ تعلیم میں طالبات کا بڑھتا ہوا تناسب سماجی مسائل بھی پیدا کرے گا۔ والدین کو چاہیئے کہ نوجوانوں کو اعلیٰ تعلیم کی طرف راغب کریں۔ جن بچوں میں تعلیم کا شوق ہو اُن کی حوصلہ افزائی کریں اُنہیں دیگر کاموں میں نہ لگائیں۔

س : لڑکیوں میں اعلیٰ تعلیم کا بڑھتا ہوا تناسب اُن میں دین سے دُوری تو پیدا نہیں کر رہا۔

ج : اصل میں دین سے قُرب اور بُعد کا معاملہ گھر کے ماحول اور بچپن کی دینی تربیت سے زیادہ تعلق رکھتا ہے۔ جن بچیوں کی دینی تربیت بچپن میں ہو جاتی ہے اُن پر اعلیٰ تعلیم کے دوران کوئی اثر نہیں پڑتا۔ میں بہت سی ایسی خواتین سے واقف ہوں جو اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود دین سے برگشتہ نہیں ہیں۔

س : ہندوستان کے مسلمانوں میں فرقہ بندی کی کیا کیفیت ہے۔

ج : اختلافات تو آج بھی ہیں۔ لیکن اس وقت مناظرے کی سی کیفیت نہیں ہے۔ البتہ چند مقامات ہیں جہاں ہر سال تناؤ اور کشیدگی پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً لکھنؤ

ہیں شیعہ سنی کشیدگی محرم اور محرم کے بعد کے دنوں میں ہر سال رہتی ہے۔ بعض علاقوں میں بریلوی اور دیوبندی کشمکش کے مظاہرے بھی دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن پہلے کی طرح CONFRONTATION کی کیفیت اب نہیں ہے۔

س : مسلم پرسنل لاء کے مسئلے پر مسلم جماعتوں کے اتحاد میں جمعیت العلمائے ہند بھی شامل تھی۔

ج : مسلم پرسنل لاء بورڈ کے اندر تو جمعیت العلماء بھی شامل ہے۔ چنانچہ مجلس عاملہ میں مولانا اسعد مدنی صاحب بھی ہیں اور جمعیت العلماء کے سید احمد ہاشمی صاحب بھی ہیں۔ لیکن تحفظِ شریعت کے سلسلے میں جو مہم پرسنل لاء بورڈ نے چلائی اُس میں عملاً جمعیت العلماء نے اپنا حصہ ادا نہیں کیا۔ بلکہ اپنے طور کچھ مہم انہوں نے چلانے کی کوشش کی۔ لیکن مطالبے کی حد تک وہ سب کے ساتھ ہیں۔

س : دارالعلوم دیوبند کے دو حصے ہونے سے وہاں تعلیمی معیار اور دارالعلوم کی ساکھ پر کیا اثر پڑا ہے۔

ج : دیوبند کے تنازعے سے نہ صرف یہ کہ دیوبند کی ساکھ متاثر ہوئی ہے بلکہ عام مسلمانوں میں علماء کے طبقے کی ساکھ بھی متاثر ہوئی ہے۔ لوگ کہتے کہ یہ ایک ہی مسلک کے علماء ہیں مگر پھر بھی آپس میں لڑتے ہیں۔ پھر یہ کہ اس تنازعے کے دوران ایک دوسرے پر الزام تراشی اور بیانات اور جوابی بیانات کا جو سلسلہ چلا اُس نے نہ صرف ادارے کو بدنام کیا ہے بلکہ علماء کے بارے میں بڑی بددلی پھیلی ہے مسلمانوں میں۔ اور اس تنازعے نے اس تاریخی ادارے کو یقیناً بہت نقصان پہنچایا ہے۔

س : ہندوستان کے مسلم معاشرے میں علماء کی قوت قرآن کی تعلیم کے ساتھ ساتھ اُردو کی ترویج و ترقی میں اہم کردار ادا کر سکتی ہے۔ اس پہلو پر کبھی توجہ کی آپ نے۔

ج : بالکل۔ ایسا بآسانی ہو سکتا ہے لیکن اس طرف توجہ نہیں کی کسی نے اب تک۔

س : ہندوستان کے مسلمانوں نے دین اور دنیا کی تعلیم کو اکٹھا کرنے کی کئی کوششیں کیں۔ ندوۃ العلماء، مدرسہ اصلاح اور جامعہ ملیہ انہیں کوششوں کے نتیجے میں قائم ہوئے لیکن کسی کوشش سے مطلوبہ نتائج برآمد نہیں ہوتے۔ کیا اب ایسا ذہن پایا جاتا ہے کہ

کوئی نئی کوشش کی جائے۔

ج : دیکھئے ذہن تو ہے لیکن اس سلسلے میں کوئی کوشش شروع نہیں ہوئی ہے آج بھی سوچنے والے سوچتے ہیں کہ ایسا تعلیمی نظام بنایا جائے جہاں دونوں علوم کو سمجھا جائے اور ظاہر ہے کہ اسلام میں تو دین اور دنیا کی تفریق ہے ہی نہیں۔ لیکن عمل کوشش نہیں ہو رہی۔

س : یہ قدیم ادارے یعنی ندوۃ العلماء، مدرسہ اصلاح اور جامعہ ملیہ تو اب بھی موجود ہیں یہ اب کیا کر رہے ہیں۔

ج : جہاں تک ندوۃ العلماء کا تعلق ہے اس کا شمار دینی تعلیم کی اعلیٰ درسگاہوں میں ہوتا ہے کیونکہ اس کے نصاب میں بھی جدید سوشل سائنسز کی تعلیم شامل نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ نصاب کا رُخ ایک ہی طرف کو ہے اور یہی حال مدرسۃ الاصلاح کا ہے۔ اب رہ گیا جامعہ ملیہ تو اُس میں دینی تعلیم کا جو پہلو تھا وہ ختم ہو گیا ہے اور اُس کے بجائے عصری تعلیم کا پہلو رہ گیا اور وہ بھی اب بالکل علیگڑھ کی طرح کی ایک یونیورسٹی بنتی جا رہی ہے۔

س : پاکستان کے مسلمانوں اور ہندوستان کے مسلمانوں کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا موازنہ آپ نے ضرور کیا ہوگا۔

ج : اس سلسلے میں پہلی بات یہ ہے کہ پاکستان کے مسلمانوں کی زندگی کو بہت قریب دیکھنے کا یا گہری نگاہ سے دیکھنے کا موقع کم ملا ہے۔ لاہور کے بارے میں تو کچھ نہیں کہتا کہ یہاں میرا قیام بہت کم رہا لیکن کراچی میں میں نے جو کچھ محسوس کیا وہ یہ ہے کہ وہاں اس وقت مسلمان کی زندگی کی ساری سرگرمی صرف معیارِ زندگی بلند کرنے میں صَرف ہو رہی ہے۔ اسی بھاگ دوڑ میں وہ لگا ہوا ہے اور دوسری طرف جتنی توجہ چاہیئے وہ نہیں ہے اور یہ علامت کچھ اچھی نہیں ہے۔ معیارِ زندگی بلند کرنے کی جو کوشش ہے اس کی تو کوئی انتہا نہیں اور اس میں انسان بسا اوقات اپنی دینی و اخلاقی اقدار کو بالکل بالائے طاق رکھ دیتا ہے، اور جو اقبال نے کہا تھا کہ مرکزِ روح و بدن درپیش ہے بالکل وہی کیفیت ہے۔ لیکن ہندوستان کے مسلم معاشرے میں کوئی تقابل نہیں کر سکتا کیونکہ وہاں حالات الگ ہیں یہاں حالات الگ ہیں۔

وہاں ہمارے سامنے کئی چیلنج ہیں اور اُن میں سب سے بڑا چیلنج ہمارے سامنے اپنے مادی اور معنوی وجود کو باقی اور برقرار رکھنے کا ہے اور یہاں وہ چیلنج درپیش نہیں ہے - یہاں اصل میں چیلنج یہ ہے کہ مسلمان اپنی انفرادی زندگی کے ساتھ ساتھ اجتماعی زندگی کے لئے کس نصب العین کا تعین کرتے ہیں اور اُس نصب العین کے لئے کیا کوششیں کرتے ہیں - ان دونوں چیلنجز (Challenges) کے فرق کی وجہ سے تقابل بہت مشکل ہے -

س : مسلمانوں کی سیاسی جماعتوں کا ہندوستان کی سیاست میں اور خود مسلمانوں میں اس وقت کیا مقام ہے -

ج : ہندوستان میں مسلمانوں کی تین سیاسی جماعتیں ہیں اور یہ تین سیاسی جماعتیں ہندوستان کے تین الگ علاقوں میں اپنا اثر رکھتی ہیں - اس لحاظ سے یہ سوال تو پیدا نہیں ہوتا کہ مقابلتاً کون زیادہ فعال ہے - جیسے مسلم لیگ کا زیادہ تر اثر ہے کرالا میں اُس کے بعد تامل ناڈو میں ہے اور پھر اُس کے بعد کرناٹک میں ہے - ان تین جنوبی ریاستوں کے بعد مغربی ہندوستان کی ریاست مہاراشٹرا میں ہے - اور کچھ شاخیں دلی یوپی اور دوسرے مقامات پر بھی ہیں لیکن مسلم لیگ کے زیادہ تر اثرات جنوب کی ریاستوں میں ہیں - دوسری جماعت مجلس اتحاد المسلمین ہے اس کا دائرہ اثر ریاست حیدرآباد تک ہے اور اس کے اثرات کا اندازہ آپ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ حیدرآباد میونسپل کارپوریشن کے حالیہ انتخابات میں مجلس نے سو میں سے اڑتیس نشستیں حاصل کی ہیں اور سب سے بڑی پارٹی کی صورت میں آئی ہے - تیسری سیاسی جماعت ہے مسلم مجلس اس کا دائرہ کار یوپی میں ہے - یہ یوپی میں ہی قائم بھی ہوئی - کسی زمانے میں یوپی میں اس کا خاصا اثر تھا لیکن ڈاکٹر فریدی کے انتقال کے بعد اس کا اثر خاصا گھٹ گیا ہے - یوپی میں مسلم لیگ بھی موجود ہے لیکن دونوں کے اثر کے علاقے الگ الگ ہیں بجز ایک مقام کے - اس بات کی کوشش بھی کی گئی کہ مسلم جماعتوں کا ایک مشترکہ پلیٹ فارم بنایا جائے "نیشنل مسلم فرنٹ" کے نام سے - اس کوشش میں تینوں جماعتیں شامل تھیں لیکن بعض وجوہات کی بنا پر یہ کوشش آگے نہیں

بڑھ سکی۔ لیکن چونکہ تینوں جماعتوں کے علاقے الگ ہیں اس لئے ایسی کوشش بارآور نہیں ہوسکی ہیں۔

س : ہندوستان میں جماعت اسلامی کے اثرات اور کام کی نوعیت کیا ہے۔

ج۔ جماعت اسلامی کا اثر وہاں کے تعلیم یافتہ طبقے کی حد تک محدود ہے تعلیم یافتہ مسلمان جماعت سے انتہائی متاثر ہے۔ البتہ تحفظِ شریعت کی مہم میں جماعت اسلامی کے کام کا اہم پہلو یہ سامنے آیا کہ اُس نے اپنے پلیٹ فارم سے مسلم خواتین کو میدان عمل میں متحرک کیا۔ جماعت اسلامی آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ اور دوسرے مسلمانوں کے اجتماعی کاموں میں برابر شریک ہے۔

س۔ جماعت اسلامی کے قیام کے وقت مولانا مودودی مرحوم نے جس طرح جماعت اسلامی کی دعوت کا مخاطب ہندوستان کے ہر مسلم باشندے کو قرار دیا تھا۔ کیا اب بھی ہندوستان میں جماعت کی دعوت کا رنگ باقی ہے۔

ج : ہندوستان میں اب جماعت کی دعوت کا وہ رنگ باقی نہیں ہے۔ بلکہ ہندوستان میں بھی اب دعوت کا پہلو تھوڑا سا کم ہو رہا ہے اور "مسلمانوں کی جماعت" کا رنگ اُس میں غالب آتا جا رہا ہے۔ مسلم مسائل کو پیش کرنا مسلم مسائل کی ترجمانی کرنا۔ ظاہر ہے یہ مرحلہ جب آئے گا تو دعوت کا پہلو خود بخود کم ہوتا جائے گا اور اب دعوت کا پہلو کم ہو چکا ہے۔ عام دعوت کا کام اس حد تک محدود ہے کہ مختلف علاقائی زبانوں میں انہوں نے تفہیم کے ترجمے کا کام شروع کیا ہے۔ اس سے ہٹ کر عام لوگوں میں دعوت کا کام نہیں ہو رہا۔

س : غیر مسلموں میں تبلیغِ اسلام کے حوالے سے کچھ عرصہ قبل پیٹر وڈالر کا بھی بہت تذکرہ ہوا تھا۔ اس بارے میں کچھ وضاحت فرمائیں۔

ج : دراصل ہوا یہ تھا کہ جنوبی ہند کی ریاست تامل ناڈو کے بالکل جنوبی علاقے میں اعلیٰ ذات کے ہندوؤں نے نیچ ذات کے ہندوؤں کے ساتھ انتہائی ظالمانہ رویہ اپنا رکھا تھا۔ ظلم کی ایک کیفیت یہ بھی ہے کہ نیچ ذات کے لوگ اعلیٰ ذات کے لوگوں کے مکانوں کے سامنے سے گزر بھی نہیں سکتے۔ اُن کا سایہ بھی پڑ جائے تو اعلیٰ ذات کا ہندو ناپاک ہو جاتا ہے اُس ظلم کے نتیجے میں اُن کے اندر ذات پات کے نظام کے خلاف

نفرت کا جذبہ پیدا ہوا۔ اس صورت حال میں اُس علاقے کے مسلمانوں نے بہت ہی آہستگی کے ساتھ ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی اور اس کے نتیجے میں ہریجن وہاں اسلام کی طرف راغب ہونے لگے اور انفرادی حیثیت سے اسلام قبول کرنے کے واقعات وہاں ایک عرصے سے ہو رہے تھے۔ لیکن یہ چیز نظر میں نہیں آتی تھی اب ہوا یہ کہ "میناکشی پورم" نام کا جو گاؤں تھا ہریجنوں کا اُس سارے گاؤں نے اجتماعی طور پر اسلام قبول کیا۔ اجتماعی طور پر اسلام قبول کرنے کی وجہ سے اُس کو ایک پبلسٹی ملی اور ردعمل شروع ہوا۔ جہاں تک پٹرو ڈالر کی بات ہے تو اس میں کوئی صداقت نہیں ہے اُس علاقے میں ہمارے دو وفد جا چکے ہیں۔ ایک دفعہ میں خود بھی جا چکا ہو۔ پٹرو ڈالر کا اندازہ آپ اُس گاؤں کی مسجد سے لگا سکتے ہیں کہ کہ ناریل کے درخت کے تنوں کو ستونوں کے طور پر کھڑا کر کے اوپر ناریل کے پتوں کی ہی چھت بنائی گئی ہے۔ اصل میں اُن لوگوں کا قبولِ اسلام وہاں کے کچھ مقامی مسلمانوں کی برسہا برس کی محنتوں اور کوششوں کا پھل ہے۔ جو اللہ نے اپنے فضلِ خاص سے عنایت فرمایا ہے۔ اس کے بعد جنوبی ہند کے کئی علاقوں میں قبول اسلام کی ایک لہر پیدا ہو گئی۔ کئی مقامات پر لوگوں نے اچھی خاصی تعداد میں اسلام قبول کیا۔ اس کے اثرات خود ہمارے علاقے حیدر آباد تک بھی پہنچے لیکن یہ سب واقعات انفرادی قبول اسلام کے ہیں اجتماعی واقعہ ایک ہی ہوا۔

س : ان نومسلم حضرات کو مسلم معاشرے میں جذب ہونے میں بھی کچھ مشکلات پیش آتی ہوں گی۔

ج : عموماً جہاں جہاں بھی اس قسم کے واقعات ہوتے ہیں مسلمانوں نے نومسلموں کو اپنی معاشرت میں جذب کیا ہے اُن سے رشتے ناطے اور شادی بیاہ کے معاملات کئے ہیں۔ جنوبی ہند میں تو نومسلموں کو اس معاملے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی لیکن شمالی ہند کے مسلمانوں کے اندر خود برادری کا نظام اتنا رچا بسا ہوا ہے اور اونچ نیچ کا تصور اتنا بیٹھا ہوا ہے ذہنوں کے اندر کہ وہاں کے مسلم معاشرے میں نومسلموں کا جذب ہونا بہت مشکل ہے۔ وہاں ایسے بھی واقعات ہوتے کہ نومسلم خاندانوں کیلئے

بچوں کی شادیوں کا مسئلہ اُٹھ کھڑا ہوا ہے۔ مسلمانوں نے ان کی لڑکیوں کو قبول نہیں کیا جس کے نتیجے میں اُن کے اندر مایوسی کی کیفیت پیدا ہوئی۔ شمالی ہند کے مسلمانوں میں اس اعتبار سے ان غیر اسلامی تصورات کی اصلاح کی شدید ضرورت ہے۔ شمالی ہند کے مسلم معاشرے سے جب تک اونچ نیچ کے تصورات ختم نہیں ہوتے اُس میں جذب کی کیفیت پیدا نہیں ہوسکتی۔

س : غیر مسلم سوسائٹی کا ردعمل کیا ہوتا ہے نومسلموں کے بارے میں۔

ج : جہاں تک انفرادی قبول اسلام کا تعلق ہے تو شروع میں خاندانوں میں کچھ رنجش اور خفگی کا اظہار کیا جاتا ہے لیکن بعد میں لوگ برداشت کر لیتے ہیں۔ لیکن اگر اجتماعی حیثیت میں اسلام قبول کریں تو اُس کا ردعمل شدید ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ منی کشم پورم کے واقعے کو بہت بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا۔ اور کہا یہ جاتا ہے کہ جب آریہ سماج کا ایک وفد سابق وزیر اعظم مسز گاندھی سے ملا اور اُس نے اس بات پر تشویش کا اظہار کیا اور مطالبہ کیا کہ حکومت کو اس چیز کو روکنا چاہیئے تو مسز گاندھی نے کہا کہ آپ لوگ کچھ کیجیئے اور اُس کے بعد آریہ سماج نے سارے ہندوستان میں ایک مہم شروع کی جس کے نتیجے میں بڑے پیمانے پر ملک بھر میں فسادات ہوئے۔ اُن فسادات کا محرک یہی تھا کہ ہریجنوں کو فسادات کے ذریعے اتنا خوفزدہ کیا جائے کہ مسلمان ہونے کا تصور بھی اُن کے ذہنوں میں نہ آسکے۔

س : ہندوستان میں مسلمانوں کی شرح پیدائش کے بارے میں جو دعوے کئے جاتے ہیں اُن کا کیا پس منظر ہے۔

ج : یہ بات درست ہے کہ مسلمانوں کے ہاں شرح پیدائش نہ صرف ہندوستان میں بلکہ ساری دنیا میں دوسری قوموں سے زیادہ ہے اور اُس کی وجہ یہ ہے کہ دوسری قوموں کے لوگ معیار زندگی بلند کرنے کی خاطر اور رزق کی تنگی کے خوف سے خاندانی منصوبہ بندی پر عمل کرتے ہیں۔ جبکہ عام مسلمان کا ایمان تو یہی ہے رزق اللہ دیتا ہے۔ اس لئے اُس کا ذہن ان چیزوں کو قبول نہیں کرتا۔

ٹینٹ اور ترپال

بنانے کا
ممتاز ادارہ

ایچ نظام دین
اینڈ سنز

مرکزی دفتر

محمد بن قاسم روڈ۔ کراچی

اسلامی انقلاب : مراحل، مدارج اور لوازم

فتح مُبین

صُلح حدیبیہ ٥ فتح خیبر اور فتح مکہ

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے

(ساتویں خطاب کی تیسری قسط)

ترتیب و تسوید جمیل الرحمٰن

یہ صلح فتح مبین کس اعتبارات سے تھی!

اس اہم واقعہ کو قرآن مجید نے فتح مبین کس اعتبار سے قرار دیا کہ حدیبیہ سے واپسی پر یہ آیت نازل ہوئی کہ: اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا ط ۔ اور میں اسے حضورؐ کی انقلابی جدّ و جہد کے ضمن میں ایک نہایت اہم موڑ ــــــ (TURNING POINT) کیوں کہتا ہوں! اس پر ہمیں غور و تدبّر کرنا ہے ۔ اس بات کو اگر میں جدید اصطلاحات کی مدد سے بیان کروں تو شاید بہتر طور پر سمجھ میں آئے۔ درحقیقت اس صلح اور معاہدہ کا مطلب یہ تھا کہ قریش نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک " طاقت،، کی حیثیت سے تسلیم کر لیا۔ جس طریقہ سے آج کے دور میں ہم دیکھتے ہیں کہ عرب ممالک اسرائیل کے ساتھ براہِ راست بات چیت کرنے کے لیے کسی طور پر بھی آمادہ نہیں۔ وجہ یہی ہے کہ براہِ راست گفت و شنید کا مطلب ہوگا کہ عرب ممالک نے اسرائیل کو ایک مساوی

طاقت کی حیثیت سے تسلیم کر لیا ہے۔ کوئی معاہدہ کریں گے تو اس کے معنی ہوں گے کہ انہوں نے اسرائیل کو ایک آزاد و خود مختار ریاست کی حیثیت سے مان لیا، (RECOGNISE) کر لیا۔ یہی موقف ہماری حکومت کا ہے کہ افغانستان میں برسر کارمل کی نام نہاد حکومت سے براہِ راست بات چیت کرنے کے لیے تیار نہیں۔ بالواسطہ (INDIRECT) گفت و شنید تو ہو سکتی ہے لیکن بلا واسطہ اور براہِ راست کارمل حکومت (REGIME) کے ساتھ گفتگو کا مطلب ہوگا کہ ہم نے کارمل حکومت کی دستوری آئینی حیثیت کو تسلیم کر لیا جسے ہم سیاسی اعتبار سے درست نہیں سمجھتے۔ حالانکہ روس کا پُرزور مطالبہ ہے کہ پاکستان کارمل حکومت کو تسلیم کر کے اس سے براہِ راست بات چیت کر کے معاملات طے کر لے۔ اس کے بعد ہم اپنی فوجیں ہٹا لیں گے۔ لیکن یہی وہ بات ہے جو اصل میں سیاسیات اور بین الاقوامی معاملات میں فیصلہ کن ہوتی ہے کہ اگر کسی فریق کی قانونی و آئینی حیثیت تسلیم کر لی جائے تو اس کے لیے یہ ایک بہت بڑا BREAK - THROUGH ہو جاتا ہے۔ یعنی اس فریق کو بہت سے حقوق و تحفظات حاصل ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا قریش کی طرف سے مصالحت پر آمادہ ہو جانے اور ایک باضابطہ تحریری شکل میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صلح کا معاہدہ کر لینے کے اس عمل کے متعلق میں سیرتِ مطہرہ پر اپنی تقاریر میں کہا کرتا ہوں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ گویا قریش نے یہ تسلیم کر لیا کہ :

"MOHAMMAD (صلی اللہ علیہ وسلم) IS A POWER TO RECKON WITH.

یعنی قریش کو تسلیم ( ) کرنا پڑا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اب ایک طاقت ہیں، ایک قوت ہیں جنہیں تسلیم کیے بغیر ہم اب کوئی چارہ کار اپنے لیے نہیں پاتے۔ یہ تھی پوری صورتِ حال — جس کے پس منظر میں مدینہ منورہ کی واپسی کے سفر کے دوران سورہ فتح نازل ہوئی جس کا آغاز ہوتا ہے اِس آیتِ مبارکہ سے :

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۔ "بے شک ہم نے (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے لیے تابناک اور کھلی فتح کا فیصلہ فرما دیا۔"

اور اسی سورہ مبارکہ میں یہ آیات بھی نازل ہوئیں :

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ۚ

"بے شک جو لوگ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپؐ سے بیعت کرتے ہیں وہ (درحقیقت) اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ہے ان کے ہاتھ کے اوپر۔"

اور : لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ

"تحقیق اللہ راضی ہو گیا ایمان والوں سے جب وہ بیعت کرنے لگے (اے نبیؐ) آپؐ سے درخت کے نیچے۔۔۔۔"

اور : لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ ۖ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ ۚ

"بے شک اللہ نے سچ دکھایا اپنے رسول کو خواب حق کے ساتھ۔ تم لازماً داخل ہو کر رہو گے مسجدِ حرام میں اگر اللہ نے چاہا آرام سے اپنے سروں کے بال مونڈتے اور کترتے ہوئے بے کھٹکے۔"

جب یہ آیات نازل ہوئیں اور اہلِ ایمان کے سامنے ان کی تلاوت کی گئی تو ان آیات نے گویا ان کے زخمی دلوں پر مرہم کے پھاہے کا کام کیا۔ اہلِ ایمان جس چیز کو اپنے خیال میں شکست سمجھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس کو فتحِ مبین قرار دیا۔ إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا۔ اِس سے مسلمانوں کے دل مسرت و شادمانی سے باغ باغ ہو گئے۔ صحیح مسلم میں روایت موجود ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے خاص طور پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر ان کو یہ بتایا کہ یہ سورت نازل ہوئی ہے۔ انہوں نے پہلے تو کچھ تعجب کا اظہار کیا لیکن جب حضورؐ نے فرمایا کہ ہاں اللہ تعالیٰ نے اِسے فتحِ مبین قرار دیا ہے تو ان رضؓ کے دِل بے قرار کو بھی قرار آ گیا اور وہ بھی شاداں و فرحاں ہو گئے۔

حضرت ابو جندل رضؓ کا دوسرا اقدام

صلح حدیبیہ کے ثمرات و فوائد بیان کرنے سے قبل مَیں چاہوں گا کہ حضرت ابو جندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دوسرے اقدام کا واقعہ سنا دوں۔ مَیں بتا چکا ہوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

معاہدہ کی شرط کے مطابق اور سہیل ابن عمرو کے اصرار پر ان رضؓ کو کفار کے حوالہ کر دیا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد وہ اپنی قید سے دوبارہ نکلے۔ مدینہ منورہ تو گئے نہیں اس لیے کہ انہوں رضؓ نے اچھی طرح جان لیا تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو معاہدہ کی وجہ سے پابند ہیں لہٰذا حضورؐ تو مجھے دوبارہ واپس بھجوا دیں گے۔ چنانچہ انہوں نے بحیرہ احمر کا رُخ کیا اور ساحل کے قریب جنگل میں پناہ لی۔ اس کے بعد ایک اور صحابی عتبہ بن اسید رضؓ جو اپنی کنیت ابو بصیر کے حوالے سے زیادہ مشہور ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ وہ بھی مکہ والوں کی قید سے چھٹکارا پا کر مدینہ پہنچے۔ اِدھر وہ پہنچے اُدھر مکہ سے دو اشخاص پہنچ گئے۔ اور حضورؐ سے مطالبہ کیا کہ ابو بصیر رضؓ کو اپنے معاہدے کی وجہ سے ہمارے حوالے کیجئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بصیر رضؓ کو حکم دیا کہ واپس جاؤ اور انہیں رضؓ ان دونوں ایلچیوں کے حوالے کر دیا۔ ابھی یہ تینوں ذوالحلیفہ پہنچے ہی تھے کہ ابو بصیر رضؓ نے انہی دو میں سے موقع پا کر ایک کی تلوار پر قبضہ کر کے اس کی گردن اڑا دی۔ دوسرا مدینہ کی طرف سرپٹ بھاگا۔ پیچھے پیچھے ابو بصیر رضؓ بھی مدینہ پہنچ گئے۔ مکہ والا حضورؐ سے فریاد کر رہا تھا کہ ابو بصیر رضؓ نے عرض کیا کہ حضورؐ آپ نے تو اپنا وعدہ پورا کر دیا تھا، میں نے تو اب ایک کو قتل کر کے آزادی حاصل کی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ شخص پھر کہیں جنگ کی آگ نہ بھڑکا دے، کوئی ہے جو اس کو قتل ہونے میں کرے! یہ سُننا تھا کہ ابو بصیر وہاں سے بھاگے اور مدینہ سے نکل کر بحرِ احمر کے ساحلی جنگل جا کر حضرت ابو جندل رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ساتھ مل گئے۔ ایک اکیلا دو گیارہ کے مصداق یہ دو ہو گئے۔ اس کے بعد جب مکہ کے بے کس اور مظلوم مسلمانوں کو پتہ چلا کہ جان بچانے کا ایک دوسرا ٹھکانا بن گیا ہے تو چوری چھپے مکہ سے فرار ہو کر مدینہ کا رُخ کرنے کے بجائے یہاں پناہ کے لیے پہنچنے کا سلسلہ شروع ہو گیا تھوڑے ہی دنوں میں وہاں ایک اچھی خاصی جمعیت فراہم ہو گئی۔ اب انہوں نے قریش کے جو قافلے شام کے لئے بحرِ احمر کے ساحل کے ساتھ ساتھ سفر کرتے تھے ان پر تاخت اور مار دھاڑ شروع کر دی۔ اس لیے کہ یہ لوگ مدینہ میں تو تھے نہیں لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صلح کی شرائط کے پابند نہیں تھے۔ تجارتی قافلوں کے یہ راستے

قریش کی معیشت کے لیے شہ رگ کا درجہ رکھتے تھے۔ جیسا کہ میں ابتدائی تقریروں میں بیان کر چکا ہوں ___ ان لوگوں کی لوٹ مار اور مار دھاڑ کے ہاتھوں مجبور ہو کر قریش کا ایک وفد ان کی طرف سے تحریر لے کر مدینہ آیا کہ معاہدہ کی اس شرط کو ہم خود واپس لیتے ہیں۔ اب مکہ سے جو بھی آپؐ کے پاس مدینہ آ کر آباد ہونا چاہے وہ آ سکتا ہے۔ ہم اس کی واپسی کا مطالبہ نہیں کریں گے۔ آپؐ ابو جندلؓ اور ابو بصیرؓ اور ان کے ساتھیوں کو مدینہ بلا لیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرمان بھیجا۔ اور وہ سب کے سب مدینہ آ کر آباد ہو گئے اور قریش کے قافلوں کا راستہ بدستور محفوظ و مامون ہو گیا۔

حاصلِ کلام یہ کہ صلح کی اُس شق سے جو اہلِ ایمان کو سب سے زیادہ شاق گزری تھی خود قریش کو تائب ہونا پڑا۔ گویا اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا کا ایک نظارہ بہت ہی جلد مسلمانوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ___ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے مقام پر حضرت ابو جندلؓ کو واپس کرتے ہوئے جو الفاظِ مبارکہ فرمائے تھے کہ: یا ابوجندل اصبر واحتسب فان اللہ جاعل لک ولمن معک من المستضعفین فرجاً و مخرجاً" اے ابو جندل! صبر اور ضبط سے کام لو اللہ تمہارے لیے اور دوسرے ضعیفوں اور مظلوموں کے لیے کوئی راہ نکال دے گا۔" تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی ایک حقیقی واقعہ کی شکل میں متشکل ہو کر نگاہوں کے سامنے آ گیا۔

صلح حدیبیہ کے ثمرات

اب ہمیں دیکھنا ہے کہ مزید وہ کون کون سے پہلو ہیں جن کے اعتبار سے اِس صلح کو "فتح مبین" قرار دیا گیا! ہوا یہ کہ اس صلح کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یکسو ہو کر اپنی دعوتی سرگرمیوں پر پوری توجہ دینے کا موقع مل گیا۔ یہی وہ زمانہ ہے کہ اصحابِ صفہ کی جو جماعت تیار ہو رہی تھی حضورؐ نے ان کے وفود بنا بنا کر مختلف قبائل کی طرف بھیجنے شروع فرمائے۔ مزید برآں اب تک مسلمان اور مشرکین کا آپس میں کسی قسم کا کوئی رابطہ نہیں تھا۔ اس صلح کے بعد یہ روک ٹوک اُٹھ گئی۔ آمد و رفت شروع ہوئی۔ خاندانی اور تجارتی تعلقات و روابط کی وجہ سے کفارِ مکہ

مدینہ منورہ میں آتے، طویل عرصہ تک قیام کرتے۔ مسلمانوں سے میل جول رہتا تھا۔ باتوں باتوں میں اسلام کی دعوتِ توحید اور مسائل کا تذکرہ اور ان پر تبادلۂ خیال ہوتا رہتا تھا۔ ہر مسلمان اخلاص اور حسنِ عمل کا پیکر، نیکو کاری، حسنِ معاملات اور پاکیزہ اخلاق کی زندہ تصویر تھا۔ جو مسلمان مکّہ جاتے تھے، ان کی صورتیں، ان کے اعمال، ان کے اخلاق، ان کے معاملات یہی مناظر پیش کرتے۔ ان اوصاف کی وجہ سے مشرکینِ مکّہ کے دل خود بخود اسلام کی طرف کھنچے چلے آتے۔ الغرض اس صلح کے نتیجہ میں اسلام جنگل کی آگ کی طرح پھیلنے لگا۔ مؤرخین اور سیرت نگاروں کا بیان ہے کہ اِس صلح سے لے کر فتح مکّہ تک اس قدر کثرت سے لوگ اسلام لائے کہ اس سے قبل نہیں لائے تھے۔

حضرت خالدؓ بن ولید اور حضرت عمروؓ ابن العاص کا قبولِ اسلام

صلح حدیبیہ کو اللہ تعالےٰ نے "فتحِ مبین" قرار دیا ہے۔ لیکن یہ اجسام کی نہیں قلوب کی فتح و تسخیر کا معاملہ تھا۔ اس مرحلہ پر اسلام کو اپنی دعوت کی اشاعت کے لیے امن درکار تھا جو اِس صلح سے حاصل ہوگیا۔ دعوتِ توحید کی وسعت کو دیکھ کر خود قریش یہ سمجھنے لگے تھے کہ یہ ہماری شکست اور جنابِ محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی فتح ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ صلح حدیبیہ سے قبل قریش اور اہلِ ایمان کے مابین جو معرکے ہوئے تو ایک جنگجو اور باصلاحیت شہسوار کی حیثیت سے قریش کی صفوں میں خالد ابنِ ولیدؓ کا نام ممتاز نظر آتا ہے گھڑ سوار دستوں کی قیادت انہی کے سپرد رہتی تھی۔ غزوۂ اُحد کے موقع پر ان ہی کی تدبیر سے قریش کی شکست فتح میں بدل گئی تھی اور مسلمانوں کو شدید نقصان اُٹھانا پڑا تھا۔ حدیبیہ کے موقع پر بھی قریش نے گھڑ سواروں کا ایک دستہ ان کی زیرِ کمان نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا راستہ روکنے کے لیے بھیجا تھا۔ آپؐ کو اطلاع مل گئی اور حضورؐ نے راستہ بدل دیا۔ ورنہ خالد ابنِ ولید تو حضورؐ کا راستہ روکنے کے لیے رائغ سے بھی آگے نکل گئے تھے۔ حضورؐ نے مسلمانوں کے ساتھ حدیبیہ کے مقام پر پڑاؤ کیا۔ صحابہ کرامؓ نے جگہ جگہ پڑاؤ ڈال رکھے تھے۔

خالد ابنِ ولید کو جب پتہ چلا تو وہ بھی اپنے گھڑ سواروں کے دستہ کے ساتھ پلٹ کر حدیبیہ پہنچ گئے۔

خالد ابنِ ولید کا انوکھا طرزِ عمل: یہاں پہنچ کر خالد ابن ولید کی طرف سے ایک انوکھے طرزِ عمل کا مظاہرہ ہوا۔ یہ ایک ایسے پڑاؤ پر پہنچ گئے جہاں صحابہ کرامؓ میں سے دو ڈھائی سو کی نفری فروکش تھی۔ خالد نے انتہائی کوشش کی کہ کسی طرح یہ اہلِ ایمان مشتعل (   ) ہو جائیں اور کسی مسلمان کا ایک مرتبہ ذرا ہاتھ اُٹھ جائے — اس بات کو ذرا سمجھ لیجئے کہ قریش کی کچھ روایات تھیں۔ چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم احرام کی حالت میں تھے اور ان کی قدیم روایات چلی آرہی تھیں کہ مُحرِم پر ہاتھ نہ اٹھایا جائے۔ اس لیے خالد ابنِ ولید جنگ کی پہل نہیں کرنا چاہتے تھے۔ لیکن انہوں نے اشتعال انگیزی کی حتی الامکان کوشش کی۔ وہ اپنے گھوڑے لے کر بار بار صحابہ رضؓ کی اس جماعت پر ایسے چڑھ چڑھ کر آئے ہیں جیسے ان کو گھوڑوں کے سموں سے کچل دیں گے۔ کئی بار انہوں نے اس عمل کو دہرایا لیکن جو حکم تھا جنابِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ کرام رضؓ اس پر کاربند رہے۔ نہ کوئی ہراساں ہوا، نہ کوئی بھاگا اور نہ ہی کسی نے مدافعت کے لیے ہاتھ اٹھایا۔ لہٰذا میں سمجھتا ہوں کہ نظم و ضبط (   ) کے اس مشاہدہ کا خالد ابنِ ولید پر اتنا گہرا اثر ہو چکا تھا کہ وہ زیادہ دیر تک   نہیں کر سکے اور ان کا گھائل دِل بالآخر مسخر ہوا جس کا ظہور صلح حدیبیہ کے بعد ہوا اور وہ مشرف بہ ایمان ہونے کے لیے مدینہ کے لیے عازمِ سفر ہوئے۔ ایمان لانے کے بعد یہی خالد ابنِ ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ "سیفٌ مِن سیوفِ اللہِ" قرار پائے۔

حضرت عمرو ابنِ العاص کا معاملہ: حضرت خالد ابن ولید رضؓ جب سوئے مدینہ چلے ہیں تو راستہ میں حضرت عمرو ابنِ العاص مل گئے جو قریش کے ایک اعلیٰ مدبّر، شجاع و دلیر اور فنونِ حرب کے بہت ماہر تسلیم کیے جاتے تھے۔ یہی تھے جن کو سفیر بنا کر قریش نے حبشہ ہجرت کرنے والے مہاجرین کی بازیابی کے لیے ۵ھ نبوی میں جنابِ نجاشی رحؒ کے دربار میں حبشہ بھیجا تھا۔ حضرت خالدؓ

نے دریافت کیا کہ کہاں کا قصد ہے! بولے اسلام قبول کرنے کے لیے مدینہ جارہا ہوں۔ میرے دل نے تسلیم کر لیا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول برحق ہیں اور اسلام اللہ کا نازل کردہ دین ہے۔ حضرت خالد رضؓ نے کہا اپنا بھی یہی حال ہے ـــ قریش کے یہ دونوں مایہ ناز اور جلیل القدر فرزند بارگاہِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں حاضر ہوئے اور دولتِ ایمان سے مشرف ہوئے۔ اور اس طرح وہ جوہر جو اُس وقت تک اسلام کی مخالفت میں صرف ہو رہا تھا، اب اسلام کی محبت اور اس کی اشاعت و توسیع میں صرف ہونے لگا۔ حضرت خالد ابنِ ولید رضؓ اور حضرت عمرو ابنِ العاص رضؓ نے دورِ نبوت اور بعدہٗ دورِ خلافتِ صدیقی و فاروقی میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے کہ رہتی دنیا تک بھلائے نہیں جا سکتے۔ اول الذکر کا دنیا کے عظیم ترین جرنیلوں میں شمار ہوتا ہے۔ دورِ صدیقی میں فتنۂ ارتداد کی سرکوبی میں انہوں نے ہی فیصلہ کُن کردار ادا کیا تھا۔ اسی طرح کسریٰ پر ابتدائی کاری ضرب انہی رضؓ کے ہاتھوں لگی اور انہی رضؓ کے ہاتھوں قیصر کی سلطنت میں سے شام کا ملک اسلامی قلمرو میں شامل ہوا اور آخر الذکر مصر کے فاتح ہوئے۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان دو عظیم انسانوں کا قبولِ اسلام دراصل صلح حدیبیہ ہی کے ثمرات کا مظہر تھا۔

اِس صلح حدیبیہ کے ثمرات و فوائد میں سے چند ہی کا اِس مختصر وقت میں ذکر کر سکا ہوں ـــ البتہ ایک بات مزید عرض کر دوں کہ درحقیقت یہ صلح حدیبیہ ہی فتح مکہ کی تمہید بنی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ۶ھ سے ۸ھ تک جو امن و سکون کے جو دو سال ملے ہیں اس میں توحید کی انقلابی دعوت نے نہایت سرعت کے ساتھ وسعت اختیار کی اور مسلمانوں کی ایک بڑی جمعیت فراہم ہو گئی ـــ فتح مکہ کے احوال پر میں آگے قدرے اختصار سے کچھ عرض کروں گا۔

ایک حادثہ فاجعہ میں نے عرض کیا تھا کہ اصحابِ صفہ کی جو جماعت بنفسِ نفیس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیرِ تربیت تیار ہو رہی تھی، صلح حدیبیہ کے بعد ان کے وفود بنا کر آپؐ نے گرد و پیش کے مختلف قبائل میں اسلام کی انقلابی دعوت کی نشر و اشاعت کے لئے بھیجے۔ اسی دوران میں ایک قبیلہ نے اس کام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نقصان اور زک پہنچانے کا ذریعہ بنا لیا۔

چنانچہ اس قبیلہ کی طرف سے تقاضا آیا کہ ہمارے یہاں اپنے چند مبلغین بھیجیے تاکہ وہ یہاں آکر ہمیں قرآن پڑھائیں اور اسلام کی تعلیم دیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب صفہ میں سے ستر صحابہ کرامؓ کو بھیج دیا۔ انہوں نے ایک جگہ پہلے ہی سے طے کی ہوئی تھی جہاں اس قبیلہ کی ایک بڑی نفری چھپی ہوئی تھی۔ وہاں انہوں نے یک بارگی حملہ کیا اور ستر صحابہ کرامؓ میں سے ایک کے سوا سب شہید ہو گئے۔ بچنے والے حضورؐ کی خدمت میں واپس ہوئے اور حضورؐ کو سارا ماجرا سنایا۔ آپؐ کو اس حادثۂ فاجعہ پر انتہائی صدمہ ہوا۔ اس کے بعد حضورؐ نے فجر کی نماز میں آخری رکعت کے رکوع سے اٹھ کر مسلسل ایک ماہ تک وہ دعائے قنوت پڑھی جو 'قنوت نازلہ' کے نام سے مشہور ہے۔

بہرحال اب پھر آئیے صلح حدیبیہ کے مابعد اور فتح مکہ سے قبل ظہور پذیر ہونے والے چند دوسرے اہم واقعات کی طرف:

بیرونِ عرب دعوتی خطوط کی ترسیل یہی موقع تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے پہلی مرتبہ جزیرہ نمائے عرب سے باہر بھی متعدد سلاطین کو اپنے دعوتی مکتوبات ارسال فرمائے۔ اس سے پہلے بیرونِ عرب آپؐ نے کوئی نامہ مبارک نہیں لکھا نہ اس سے قبل آپؐ نے کوئی ایلچی بھیجا۔ ابھی تک سنہ ہجری تک تمام دعوتی و تبلیغی سرگرمیاں جزیرہ نمائے عرب کے اندر اندر تھیں۔ اس سے باہر کوئی دعوتی سرگرمی نہیں تھی۔ لیکن صلح حدیبیہ کے بعد سنہ ہجری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتی سرگرمی عرب کی حدود سے باہر بھی شروع فرمائی۔ اور آپؐ نے مختلف صحابہؓ کو ایلچی بنا کر عرب کے اطراف و جوانب میں تمام سربراہان سلطنت کی جانب بھیجا اور انہیں اسلام لانے کی دعوت دی۔

یوں سمجھئے کہ گویا صلح حدیبیہ کے بعد اب حضورؐ کی دعوتی سرگرمیاں دو شاخوں میں بٹ گئیں — ایک اندرونِ ملک عرب اور دوسری بیرونِ ملکِ عرب — آخرالذکر مرحلہ کو میں انقلاب محمدی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کا ساتواں مرحلہ (Seventh Phase) قرار دیا کرتا ہوں۔ اس مرحلہ کے متعلق مجھے قدرے تفصیل سے اگلے جمعہ کو گفتگو کرنی ہے۔ اندرون عرب ان دو سالوں میں جو کچھ ہوا ہے میں چاہتا ہوں کہ پہلے اسے اختصار کے ساتھ مکمل کر دوں۔

ادائے عمرہ اگلے سال ذیقعدہ سنہ ھ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ قضا ادا فرمایا۔ آپؐ نے اعلان کرا دیا کہ جو اصحاب پچھلے سال حدیبیہ میں موجود تھے، ان میں سے

کوئی رہ نہ جائے۔ سب چلیں۔ چنانچہ اس دوران جو لوگ فوت ہو گئے تھے ان کے سوا سب نے آپؐ کی پکار پر لبیک کہا۔ اور عمرے کی سعادت حاصل کی۔ صلح حدیبیہ میں طے شدہ شرط کیمطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے جلو میں حالت احرام میں مکہ تشریف لائے۔ حضورؐ اور صحابہ کرامؓ بآواز بلند تلبیہ کہتے ہوئے حرم شریف کی طرف بڑھے۔ حضرت عبداللہ ابن رواحہ انصاری نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ کی مہار پکڑے یہ رجز پڑھتے جاتے تھے۔ ان اشعار کو امام ترمذیؒ نے شمائل میں نقل کیا ہے :-

خلوا بنی الکفار عن سبیلہ	"کافرو آج سامنے سے ہٹ جاؤ۔
الیوم نضربکم علی تنزیلہ	آج تم نے اترنے سے روکا تو ہم تلوار کا وار
ضربا یزیل الھام عن مقیلہ	کریں گے۔ وہ وار جو سر کو خوابگاہ سر
ویذھل الخلیل عن خلیلہ	سے الگ کر دے اور دوست کے دل
	سے دوست کی یاد بھلا دے۔

صحابہ کا جم غفیر تھا اور وہ کعبہ شریف کی دید سے شاد کام ہو رہے تھے اور پورے جوش و خروش اور چشم تر سے عمرہ ادا کرنے کی تمنا و آرزو کو بجا لا رہے تھے۔ شرط کے مطابق حضورؐ اور صحابہؓ تین دن تک مکہ میں مقیم رہے۔ قریش کے تمام بڑے بڑے لوگ مکہ سے نکل گئے کہ نہ ہم دیکھیں نہ ہمارا خون کھولے اور نہ کوئی تصادم اور حادثہ وقوع پذیر ہو۔ لہٰذا وہ سب کے سب پہاڑوں پر چڑھ گئے۔

قریش کی شکست خوردگی حقیقی نہیں تو معنوی طور پر یہ قریش کی زبردست شکست تھی اور حضورؐ اور صحابہؓ کے ادائے عمرہ سے ان کی ساکھ کو بڑا شدید نقصان پہنچا تھا۔ اس کی وجہ کیا تھی! یہ کہ اس وقت صورت حال یہ تھی کہ اگرچہ عرب میں کوئی باقاعدہ حکومت نہیں تھی لیکن پورے عرب کی سیاسی، مذہبی اور معاشی سیادت و قیادت قریش کے ہاتھ میں تھی۔ گویا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ باقاعدہ اور تسلیم شدہ نہ سہی لیکن بظاہر احوال درحقیقت (De-Facto) قریش کو پورے عرب پر ایک نوع کی حکمرانی حاصل تھی۔ اگرچہ کوئی باضابطہ اعلان شدہ (Declared) حکومت نہیں تھی کوئی تحریری معاہدہ یا دستور و آئین موجود نہیں تھا۔ اس لئے کہ وہاں قبائلی نظام تھا۔ لیکن قدیم روایات موجود تھیں جس کے

(باقی صـ۹۲ پر)

رفتارِ کار

دس دِن

سکنڈے نیویَن ممالک میں

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اور قیّم تنظیم برائے بیرونِ پاکستان جناب قمر سعید قریشی ۲۳ جون ۱۹۸۶ء کو ناروے، ڈنمارک اور سویڈن کا دورہ مکمل کر کے لاہور واپس پہنچے ہمارے ایک معاونِ کار مفتی مقبول الرحیم نے قارئین میثاق کے لئے جناب قمر سعید صاحب کی تحریری یادداشتوں اور گفتگو کی مدد سے اس دورے کی مختصر روداد مرتب کی ہے۔ تقاریر کے کیسٹ اور تفصیلی رپورٹیں موصول ہونے پر انشاء اللہ اس دورے کے مزید پہلو بھی سامنے آئیں گے۔

ادارہ

ڈنمارک میں مقیم ایک پاکستانی بھائی ملک محمد اسحاق صاحب کو گزشتہ سال قرآن اکیڈمی میں ماہ رمضان المبارک (۱۴۰۵ھ) کے دوران ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے دورۂ ترجمۂ قرآن میں شرکت کا موقع ملا تو اُن کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو سکنڈے نیوین ممالک میں مقیم پاکستانی اور دیگر ممالک کے مسلمانوں تک قرآن کا پیغام پہنچانے کی دعوت دی جائے۔ ڈنمارک واپس جا کر انہوں نے ہم خیال احباب سے مشورہ کیا۔ ملک اسحاق صاحب کی کوششوں کے نتیجے میں ڈنمارک میں پاکستانی احباب کی ایک تنظیم مجلس اشاعت توحید و سُنّت نے ڈاکٹر صاحب کو ڈنمارک کے دعوتی و تبلیغی دورے پر بلانے کا فیصلہ کیا۔ اس مجلس کے نائب صدر جناب خالد محمود، ملک اسحق صاحب کے بھتیجے ہیں۔ مجلس کا دعوت نامہ انجمن خدام القرآن لاہور کے حلقۂ محسنین کے رکن ملک مسعود صاحب کے ذریعے لاہور پہنچا۔ اپریل کے آخری عشرے میں ڈاکٹر صاحب کی رضامندی کے بعد دورے کی تیاریوں کا سلسلہ شروع ہوا تو ناروے اور سویڈن کے پاکستانی احباب نے بھی اوسلو اور

سٹاک ہالم میں دروس اور سوال جواب کی نشستوں کا اہتمام کر لیا۔ اور یوں ۱۵ جون سے ۲۲ جون تک ایک بھرپور پروگرام ترتیب پا گیا۔

روانگی سے قبل آٹھ روز تک تقریباً روزانہ ہی مجلس اشاعت توحید و سنت کے صدر حاجی عبداللہ صاحب اور قمر سعید قریشی صاحب کے درمیان ٹیلیفونی رابطہ قائم رہا لیکن پاکستان میں عید کی چھٹیوں اور چند دیگر وجوہات کی بنا پر ویزے کا مسئلہ حل نہ ہو سکا۔ اس لئے ڈاکٹر صاحب اور قمر سعید قریشی صاحب کو بہت ہی اہم مصروفیات مؤخر کر کے ۱۲ جون کو ویزوں کے حصول کے لئے اسلام آباد کا سفر کرنا پڑا کیونکہ جمعہ ۱۳ جون کی شب کو لاہور اور پھر اسلام آباد سے روانگی طے تھی۔ اسلام آباد سے صرف ناروے کا ویزہ لگ سکا۔ البتہ مجلس اشاعت توحید و السنۃ کے ذمہ دار حضرات سے ٹیلیفون پر یہ طے پایا کہ ڈاکٹر صاحب حسب پروگرام یہاں سے روانہ ہوں گے۔ اور ڈنمارک کا ویزا انشاء اللہ کوپن ہیگن کے ہوائے اڈے پر ہی مل جائے گا۔ ۱۴ جون کی صبح کو ساڑھے سات گھنٹے کی مسلسل پرواز کے بعد جب دونوں حضرات کوپن ہیگن کے ہوائے اڈے پر پہنچے تو مجلس اشاعت توحید و سنت کے صدر جناب حاجی محمد عبداللہ اور نائب صدر جناب خالد محمود اپنے بہت سے احباب کے ساتھ استقبال کے لئے موجود تھے۔ خان ٹریولز کے مالک جناب مسعود خان کے تعاون سے ویزا کے حصول کا مسئلہ اتنے مختصر وقت میں حل ہو گیا کہ ابھی جہاز کے بہت سے مسافر اپنا سامان بھی وصول نہ کر پائے تھے۔ ملک مسعود صاحب جن کا ذکر پہلے آ چکا ہے ۱۳ جون کو ہی براستہ لندن کوپن ہیگن پہنچ چکے تھے اور ہوائی اڈے پر موجود تھے۔ بعد ازاں پورے دورے کے دوران تمام پروگراموں میں شریک رہے۔

دعوت قرآنی کے اس وفد کے ساتھ آگے بڑھنے سے پیشتر مناسب یہی ہے کہ ان ممالک کے جغرافیے اور معاشرت کے بارے میں چند بنیادی امور بیان کر دیئے جائیں تاکہ بات کو سمجھنے میں آسانی رہے۔ سکنڈے نیوین ممالک قطب شمالی کے بالکل قریب اس خطے میں واقع ہیں جس کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ وہاں چھ ماہ کا دن اور چھ ماہ کی رات ہوتی ہے اور یہ بات بڑی حد تک درست ہے۔ موسم گرما میں یعنی آج کل وہاں سورج کے نکلنے اور ڈوبنے کے اعتبار سے رات اتنی مختصر ہوتی ہے کہ عشاء اور فجر کے درمیان بمشکل ڈھائی تین گھنٹے کا وقفہ ہوتا ہے اور پھر سورج غروب ہونے کے بعد

بھی اتنی روشنی باقی رہتی ہے کہ اس پر رات کا گمان نہیں ہوتا بس ایسی ہی کیفیت رہتی ہے جیسے ہمارے ہاں نمازِ مغرب کا وقت ہو۔ نمازوں کے اوقات سے قارئین کو رات دن کی اس انوکھی کیفیت کا اندازہ کرنے میں آسانی رہے گی۔ نماز فجر عموماً صبح ڈھائی اور تین بجے کے درمیان ظہر بالعموم دوپہر کو ڈیڑھ دو بجے، عصر کی نماز شام چھ بجے کے لگ بھگ مغرب رات دس اور ساڑھے دس کے آس پاس اور عشاء اکثر و بیشتر رات بارہ بجے ادا کی جاتی ہے۔ اس لئے نماز پڑھنے والوں کو آرام کا وقفہ عشاء و فجر کی بجائے فجر و ظہر کے درمیان ملتا ہے۔

ان ممالک کی معاشرت کے بارے میں انگریزی زبان کی اصطلاح

بہت جامع اور موزوں ہے۔ یعنی ایسے معاشرے جہاں روایات، اخلاق اقدار اور معاشرتی بندھنوں کے خلاف بغاوت کو نہ صرف یہ کہ اخلاقی اعتبار سے معیوب نہیں سمجھا جاتا بلکہ قانوناً بھی جائز اور درست تسلیم کیا جاتا ہے۔

سیاسی آزادیوں اور فلاحی ریاست کی ذمہ داریوں کو حکومتیں عملاً پورا کر رہی ہیں دنیا بھر کی جابرانہ اور آمرانہ حکومتوں کے ستائے ہوئے لوگوں کو سیاسی پناہ اور معاشی کفالت مہیا کی جاتی ہے۔ اس حوالے سے پیپلز پارٹی کے کارکنوں کی ایک بڑی تعداد گزشتہ کئی سال سے ان ممالک میں سیاسی پناہ لئے ہوئے ہے۔ پیپلز پارٹی کی "گمشدہ بھیڑوں" کے علاوہ بھی ان ممالک میں آباد تارکینِ وطن میں پاکستانیوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ ان میں سے اکثر کا تعلق پنجاب کے ضلع گجرات سے ہے۔ اور انہیں وہاں کام کرتے ہوئے بالعموم سولہ سترہ برس کا عرصہ ہو چکا ہے۔

آیئے اس مختصر سیاسی اور جغرافیائی پس منظر کو ذہن میں رکھتے ہوئے پھر ہم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اور قمر سعید قریشی صاحب کے تعاقب میں چلتے ہیں۔

ہوائی اڈے کی کارروائیوں اور استقبال کے لئے تشریف لانے والے یارانِ وطن کے پُرخلوص مصافحوں اور معانقوں سے فارغ ہو کر یہ قافلہ نو بجے صبح رہائش گاہ پر پہنچا۔ نمازِ ظہر کے بعد برمنگھم سے ایک اہلِ حدیث عالمِ دین اور جریدہ "صراطِ مستقیم" کے ایڈیٹر مولانا محمود احمد میر پوری ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ ساڑھے چار بجے ویسٹرو بردگیڈ کی مسجد میں سوال جواب کی مختصر نشست منعقد ہوئی۔ مسجد کے مصری امام

مولانا محمد البولبن نے عربی زبان میں ڈاکٹر صاحب کا تعارف کرایا۔ کم وبیش پچاس پچپن
شرکاء میں پاکستانی، ہندوستانی اور عرب ممالک کے باشندے شامل تھے۔ ایک پرجوش
اُردنی بزرگ ابو طاہر مدنی نے اقامتِ دین کے حوالے سے مسلمانوں کی ذمہ داریوں پر گفتگو
کی۔ زبانی جواب کے علاوہ اُنہیں "مسلمانوں پر قرآن کے حقوق" کا عربی ترجمہ بھی پیش
کیا گیا۔ ایک مقامی نومسلم عبدالواحد پیڈرسن صاحب سے بھی اس نشست میں تعارف
ہوا۔ نمازِ عصر کے بعد ویلی ہال میں حاجی عبداللہ صاحب کے صاحبزادے شاہد عبداللہ
نے سُورہ واقعہ کی آیات تلاوت کرکے پروگرام کا باقاعدہ آغاز کیا۔ نعت خوانی کے
بعد مرکز اسلامی سے منسلک پاکستانی عالمِ دین مولانا محمد نواز ظفر نے اتحاد بین المسلمین
کے موضوع پر سُورۃ صف کی آیت ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ۔ ۔ ۔ الخ
کی روشنی میں نصف گھنٹے تک خطاب فرمایا۔ ڈاکٹر صاحب کے درسِ قرآن سے پہلے جیذمنٹ
مولانا محمود میرپوری نے اپنے مخصوص انداز میں بطورِ تعارف ڈاکٹر اسرار احمد صاحب
کی ذات اور خدمات کا تذکرہ کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے بھی سُورہ صف کی اُنہی آیات کی تلاوت
کے بعد مولانا محمد نواز ظفر کے خطاب کے حوالے سے ہی بات شروع کی اور ڈیڑھ گھنٹے
کے مفصل خطاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقصد اور آپ کے وصال
کے بعد اُمت کی ذمہ داریوں کے حوالے سے فریضۂ اقامتِ دین کی اہمیت کو واضح کیا۔
کوپن ہیگن میں یہ اس دورے کا پہلا بھرپور اجتماع تھا۔ حاضرین کی تعداد کا محتاط
اندازہ پانچ سو سے زائد ہی تھا۔ اجتماع کے بعد ایک پاکستانی دوست منیر صاحب کے
ہاں کھانے کا اہتمام تھا۔ نمازِ عشاء کے بعد کھانا کھا کر فارغ ہوئے تو گھڑیوں میں
تاریخ بدل چکی تھی۔ قصہ مختصر یہ کہ رات پون بجے بستر پر لیٹنے کا موقع مِلا اور تین بجے
نمازِ فجر کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ فجر کے بعد حاجی عبداللہ صاحب اور ادریس صاحب
کے ہمراہ ڈاکٹر صاحب بذریعہ کار سویڈن کے دارالحکومت سٹاک ہام کے لئے روانہ ہوگئے۔
ڈاکٹر صاحب کو آٹھ گھنٹے کے طویل سفر کے دوران کار کی پچھلی نشست پر آرام کا موقع دینے
کی غرض سے قمر سعید قریشی صاحب نے کوپن ہیگن میں ہی آرام کرنے کا فیصلہ کیا۔ سٹاک ہام
کے میڈ بورگا ہال میں ڈاکٹر صاحب نے خطاب کیا۔ یہاں بھی چار پانچ سو حاضرین کی آمد
متوقع تھی لیکن پیپلز پارٹی کے جلاوطن رہنماؤں اور اُن کی بیگمات کے مظاہرے اور

دھمکیوں نے حاضرین کی آمد کو خاصا متاثر کیا۔ کیونکہ انہوں نے یہ افواہ پھیلانے کا اہتمام بھی کیا تھا کہ ہم مظاہرے کے ساتھ فساد بھی کریں گے۔ اس لئے دین کے ساتھ دلچسپی رکھنے والے شرفاء کی اکثریت نے گھروں میں بیٹھے رہنے ہی میں عافیت سمجھی۔ البتہ ڈاکٹر صاحب کی آمد کے موقع پر مظاہرین نے جن کی تعداد پاکستانی اخبار نوائے وقت کی اطلاع کے مطابق تیس تھی، واپس جاؤ واپس جاؤ کے نعرے بلند کئے۔ اگلے روز صبح دس بجے ترکوں کی مسجد میں سوال جواب کی نشست منعقد ہوئی۔ حاضری سو کے لگ بھگ تھی۔ اس نشست میں الہ آباد بھارت کے کلیم صدیقی ہری پور ہزارہ کے رشید تنولی مردان کے ڈاکٹر نور خاں کراچی کے تاجر عبدالقادر میمن اور راجہ ابراہیم سے خصوصی تعارف ہوا۔ اسی مسجد میں نماز ظہر کے فوراً بعد درسِ قرآن کا پروگرام تھا جس کے اختتام کے ساتھ کوپن ہیگن واپسی کا سفر درپیش تھا۔ آٹھ گھنٹے کا یہ طویل سفر ساڑھے گیارہ بجے شام مکمل ہوا۔ سترہ جون کو دوپہر کا کھانا اشرف صاحب کے ہاں طے تھا۔ نمازِ عصر مولانا محمد ابولبن کی مسجد میں ادا کی۔ وہاں کچھ عرب اور پاکستانی احباب کے اجتماع کا بندوبست بھی تھا عربوں تک اپنا مافی الضمیر پہنچانے کے لئے تو ڈاکٹر صاحب کو انگریزی کا سہارا لینا پڑا۔ البتہ پاک و ہند کے احباب سے گفتگو اردو میں ہوئی۔ سوال جواب کا سلسلہ نو بجے تک چلتا رہا۔ ابھی نماز مغرب میں خاصا وقت باقی تھا۔ اس لئے مولانا محمد ابولبن کی پُرخلوص محفل کو بادلِ ناخواستہ چھوڑ کر مجلس اشاعتِ توحید و سنت کے نائب صدر جناب خالد محمود کے گھر کی راہ لی کہ رات کے کھانے کا پروگرام وہیں تھا۔

اٹھارہ جون کو نمازِ ظہر سے پہلے کوپن ہیگن کی قدیم آبادی میں واقع وائکنگ مارکیٹ اور رائونڈ ٹاور کا نظارہ کیا۔ ½ ۴ بجے تنظیم اسلامی کے احباب سے خصوصی ملاقات طے تھی۔ سویڈن میں جماعتِ اسلامی کے ہم خیال احباب تنظیم اسلامی کے نام سے کام کر رہے ہیں۔ بقول ان کے انہوں نے یہ نام اس لئے اختیار کیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو تقویٰ و تنظیم کے اُس معیار پر نہیں پاتے کہ جماعت اسلامی کا نام استعمال کریں۔ یہ حضرات "تنظیم" نام کا اپنا ایک ہفت روزہ شائع کرتے ہیں اور تبلیغی مقاصد کے لئے انہوں نے پرائیویٹ ریڈیو سٹیشن بھی قائم کیا ہوا ہے جس کا نام الفتح ہے۔ تنظیم کے فاتر

اور وڈیو سٹیشن دیکھنے کے بعد سوا پانچ بجے تنظیم کے رفیق طارق عسکری صاحب کے مکان پر ندیدہ سولہ حضرات کے ساتھ طویل گفتگو ہوئی۔ ان شرکا میں تین ارکان اور باقی رفقاء تھے۔ تنظیم کے صدر جناب محامد صدیقی صاحب علمی شخصیت ہیں۔ سویڈن سے ہفت روزہ "تکبیر" کے ساتھ قلمی تعاون کا سلسلہ بھی قائم ہے۔ رات ساڑھے آٹھ بجے خان ٹریولز کے مالک جناب مسعود خاں صاحب نے ڈاکٹر صاحب کے اعزاز میں کھانے کی دعوت پر کم وبیش چالیس حضرات کو بلا رکھا تھا جن میں پاکستانی سفارتخانے کے دو ذمہ دار حضرات یعنی ٹریڈ کونسلر جناب شاہد باغپتی اور بیرا تاشی کرنل صابر علی شاہ بھی شامل تھے۔ کھانے سے پہلے صاحب خانہ کی فرمائش پر ڈاکٹر صاحب نے "استحکام پاکستان" کے موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ گفتند و خوردن کی یہ نشست نماز عشاء تک جاری رہی۔ دیار غیر میں رہنے والوں کی زندگی میں اس قسم کی نشستیں صحرا میں نخلستان کی سی شان رکھتی ہیں۔ ان کی اہمیت و افادیت کا اندازہ کچھ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو کبھی خود ساختہ جلا وطنی کی لذتوں سے آشنا ہوتے ہوں۔

۱۹ رجون کا دن مجموعی طور پر سیر و تفریح میں گزرا۔ گیارہ بجے فلائنگ بوٹ پر بحر بالٹک اور بحر شمال کے مقام اتصال مالمو کو دیکھنے گئے۔ واپسی پہ ظہر کی نماز کے بعد شہر سے تیس میل کے فاصلے پر ویسبر یوسلاٹ کا قدیم قلعہ دیکھا جہاں سویڈن کے بادشاہوں کے نوادرات کو محفوظ کیا گیا ہے۔ قلعے کے سرسبز لان میں ادریس صاحب کے گھر سے آیا ہوا کھانا کھایا۔ مغربی شہنشاہوں کی یادگاروں کے سائے میں مشرق کے لذیذ پکوانوں نے عجیب لطف بھی دیا مگر دل میں مشرق کے ان مسکینوں کی حالت زار پہ کرب اور رنج کی کیفیت بھی رہ رہ کر پہلو بدلتی رہی جن کا دل مغرب میں ایسا اٹکا ہے کہ وہ اپنی شناخت سے بھی محروم ہوتے جا رہے ہیں۔

عصر کی نماز سے کچھ پہلے یہ محفل برہم ہوئی۔ نماز قیام گاہ پہ پہنچ کر ادا کی۔ نماز کے بعد تنظیم اسلامی رحبس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے، کے چند رفقاء حسب پروگرام تشریف لے آئے۔ دو گھنٹے کی طویل گفتگو کے دوران تحریک اسلامی کے طریق تنظیم، طریق دعوت اور فلسفہ انقلاب جیسے اہم موضوعات زیر بحث آئے۔ رات کا کھانا مسعود بیگ صاحب کے ہاں کھایا۔

۲۰ مئی کو اسلامک سنٹر میں ڈاکٹر صاحب نے نمازِ جمعہ کے اجتماع سے حاضرین کی سہولت کے مطابق اُردو اور انگریزی میں خطاب کیا۔ گفتگو کا موضوع سورہ صف اور سورہ جمعہ کی آیات کے حوالے سے "مسلمانوں کی دینی ذمہ داریاں" تھا۔ نمازِ جمعہ سے فراغت کے بعد ساڑھے چار بجے صبائز یولنگ ایجنسی کے مالک جناب منور علی شاہ کے گھر دوپہر کا کھانا کھایا۔ اس دعوت میں بھی سفارت پاکستان کے بیرا تاشی کرنل صابر علی شاہ اور ٹریڈ کونسلر جناب بابغیتی موجود تھے۔ کھانے کے بعد اُن کے ساتھ طویل نشست رہی۔ ساڑھے چھ بجے یعنی نمازِ عصر سے فارغ ہو کر وہاں سے سیدھے ہوائی اڈے پہنچے۔ اوسلو کے لئے جہاز تیار کھڑا تھا۔ آٹھ بجے اوسلو کے فضائی مستقر پر کھڑے تھے۔ اسلامک کلچرل سنٹر کے سید اظہر صاحب سیکرٹری جیس صاحب اور سنٹر کے امام و خطیب مولانا قاری محبوب الرحمان صاحب دیگر احباب کے ہمراہ چشم براہ تھے۔ مرکز میں پہنچ کر تمام احباب سے تعارف ہوا۔ نماز مغرب کے بعد اظہر صاحب کے ہاں کھانا کھایا۔ رہائش کا بندوبست شہر سے باہر بیس کلومیٹر کے فاصلے پر فیصل آباد کے دو بھائیوں میاں اصغر علی اور میاں انور علی کے پُر فضا بنگلے میں کیا گیا تھا۔ رات ۱/۲ ۱۲ بجے کوپن ہیگن کے احباب کا آٹھ رکنی قافلہ جو نماز جمعہ کے بعد حاجی عبداللہ صاحب کی قیادت میں کاروں میں روانہ ہوا تھا اُسی رہائش گاہ میں پہنچ گیا۔

ہفتہ اکیس جون کو اوسلو کے عوامی ہال میں جسے مقامی زبان میں فالکٹ ہاؤس کہتے ہیں۔ تقریباً ڈھائی سو پاکستانی احباب جمع ہوئے۔ مولانا محبوب الرحمان کے تعارفی کلمات کے بعد ڈاکٹر صاحب نے "مسلمانوں کی دینی ذمہ داریوں" کے موضوع پر دو گھنٹے کے طویل خطاب میں پورے شرح و بسط سے روشنی ڈالی۔ خطاب کے بعد ڈنمارک ریڈیو سے انٹرویو لیا تھا۔ ریڈیو کے بھارتی نژاد مسلمان نمائندے نے عورتوں کے مسئلے پر تیکھے اور چبھتے ہوئے سوالات کئے۔ اس اثناء میں تمام سامعین قریب ہی واقع اسلامک سنٹر میں دوبارہ اکٹھے ہو گئے جہاں شام دس بجے تک سوال جواب کا سلسلہ چلتا رہا۔ رات کا کھانا ایک پاکستانی دوست افضل صاحب کے گھر کھایا۔

۲۲ جون دَورے کا آخری دِن تھا۔ حاجی عبداللہ صاحب اور کوپن ہیگن کے دیگر احباب ساڑھے گیارہ بجے الوداعی ملاقات کے بعد رخصت ہو گئے۔ بارہ بجے اوسلو سے شائع ہونے

والے جریدے "آواز" کے چیف ایڈیٹر میاں زاہد رضوانی انٹرویو کے لئے تشریف لائے اُن کا پرچہ تین زبانوں اُردو، انگریزی اور ناروے کی زبان نارسک میں چھپتا ہے۔ اُن کے انٹرویو کا موضوع بھی "عورت" ہی تھی۔ ناروے میں رہنے والے پاکستانیوں کے سماجی اور خاندانی مسائل پر بھی گفتگو ہوئی۔

انٹرویو کے بعد مرکز اسلامی میں اس دورے کا آخری پروگرام منعقد ہوا۔ دعوت دین اور شہادتِ حق کے کام سے تعارف اور دلچسپی رکھنے والے پچاس ساٹھ افراد کے سامنے ڈاکٹر صاحب نے سورۃ حجرات کی آیات کی روشنی میں ایمان اور اسلام کے فرق اور تعلق پر روشنی ڈالی اور ہجرت و جہاد کی دعوت پیش کی۔ ڈیڑھ گھنٹے کے درس کے معاً بعد دعوتِ حق کے صاحبین کا یہ قافلہ بذریعہ ہوائی جہاز ۱۲½ بجے واپس کوپن ہیگن پہنچا جہاں منور علی شاہ صاحب اور نسیم باری صاحب پی آئی اے کی ساڑھے دس بجے کی پرواز کے بورڈنگ کارڈ لئے منتظر تھے جس کی منزل اسلام آباد تھی۔

بقیہ: "اسلامی انقلاب کے مراحل"

مطابق معاملہ چل رہا تھا۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ آج تک برطانیہ کا کوئی تحریری دستور (Written Constitution) موجود نہیں ہے۔ بلکہ روایات کی بنیاد پر ان کا معاملہ چل رہا ہے۔ کم و بیش یہی معاملہ اہل عرب کا تھا۔ جس کی رُو سے گویا قریش عرب کے حکمران تھے۔ کعبۃ اللہ کے باعث مذہبی سیادت ان کے پاس تھی۔ معاشی اعتبار سے نہایت خوشحال تھے میں بیان کر چکا ہوں کہ ان کے قافلوں پر کوئی حملہ نہیں کر سکتا تھا اس لئے کہ ہر قبیلہ کا "خدا" بت کی شکل میں بطور یرغمالی قریش کے پاس رکھا ہوا تھا۔ چنانچہ قریش کو پورے عرب پر جو سیادت و قیادت حاصل تھی وہی اسلامی انقلاب کی راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ تھی۔ لہٰذا یہ وجہ تھی کہ ہجرت کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے زیادہ ان کے خلاف اقدامات فرمائے جن کا ذکر میں اپنی گذشتہ تین تقریروں میں تفصیل سے کر چکا ہوں۔

اب آیئے یہود کے ساتھ معاملات کے احوال و کوائف کی طرف اور خاص طور پر ان واقعات کی جانب جو صلح حدیبیہ کے بعد بعد گویا صلح کے ثمرات کے طور پر وقوع پذیر ہوئے۔ (جاری ہے)

افکار و آراء

اسلامی قوانین اور جدید سائنسی نقطۂ نظر

اسلام جس کو ہم دینِ فطرت مانتے ہیں اس پر اہلِ مغرب اور مغرب پرست طبقہ کے حضرات اعتراض کرتے آئے ہیں۔ اس وقت ہم ان اعتراضات کی بات کر رہے ہیں جو کہ اہلِ مغرب عمرانیات دانوں (Socialogist) نے اسلام میں مرد کو چار شادیوں کی اجازت پر کئے ہیں اور ہمارے یہاں مغرب پرست طبقے نے yes man ۔ کا کردار ادا کرتے ہوئے ان کے اعتراضات کو مانا ہی نہیں بلکہ اس کو نافذ بھی کیا۔ جس کی مثال ایوب خان کا قانون ہے جو بدستور نافذ ہے۔

مزے کی بات یہاں یہ ہے کہ آج کی سائنس ٹھوس ثبوت کے ذریعے ان عمرانیات دانوں کے نظریئے کی نفی کر رہی ہے۔ سائنس دان اس نتیجہ پر پہنچ رہے ہیں کہ انسان متعدد ازدواج کی فطرت ہی پر پیدا کیا گیا ہے۔

امریکہ کے صفِ اوّل کے سائنسی جریدے ڈسکوَر اپریل ۸۵ء (Discover , APRIL, 1985) کی اشاعت میں اس مسئلہ پر بحث کی گئی ہے اور ریسرچ کام کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

اس جریدے کے مطابق سائنس دانوں نے انسان کی بناوٹ کا تقابل اس کے قریب ترین جاندار یعنی بندر وں کی مختلف نسلوں سے کیا۔ جو کہ اپنی ساخت، قد و قامت، جسامت اور رد یئے میں کسی نہ کسی طرح مختلف ہیں یعنی ان بندروں کی ایک نسل دوسری نسل سے کسی نہ کسی طرح مختلف ہے۔ ان میں بندروں کی بعض نسلیں یک زوجگی کی حالت میں زندگی بسر کرتی ہیں مثلاً گبّن (Gibbon) اور کچھ کثرتِ ازدواج کی حالت میں یعنی ایک نر کے ماتحت کئی مادہ ہوتی ہیں۔ مثلاً گوریلا نسل کے بندر۔

سائنس دانوں نے دیکھا کہ بندر کی وہ نسل جو کہ اپنی زندگی یک زوجگی کی حالت میں بسر کرتی ہے یعنی ایک نر اور ایک مادہ کا جوڑا بنتا ہے اس میں نر اور مادہ قد و قامت اور جسامت میں برابر ہوتے ہیں۔ مثلاً گبن نسل کے نر اور مادہ میں قد و قامت اور جسامت میں کوئی فرق نظر نہیں آئے گا۔ جبکہ بندر کی وہ نسل جو کثرتِ ازدواج کی حالت میں زندگی بسر کرتی ہے جیسا کہ گوریلا بندر کی نسل کہ ایک نر کے ماتحت متعدد مادہ ہوتی ہیں اس نسل کے نر قد و قامت اور جسامت میں مادہ سے بڑے ہوتے ہیں۔

اس طرح سائنس داں اس نتیجہ پر پہنچے کہ اگر قد و قامت اور جسامت نر اور مادہ کی برابر ہیں تو وہ نسل فطرتاً یک زوجگی پہ پیدا کی گئی ہے اور اگر نر کی قد و قامت اور جسامت مادہ سے زیادہ تو وہ نسل متعدد ازدواج کی فطرت پر پیدا کی گئی ہے۔

جب سائنس دان یہ اصول لے کر حضرتِ انسان کی طرف متوجہ ہوئے تو ان کو پتہ چلا کہ انسان میں مرد کا وزن عورت سے اوسطاً ۲۰ ٪ زیادہ ہے اور اس کا قد عورت سے اوسطاً ۸ ٪ زیادہ ہے۔ لہٰذا وہ اس بات کو ماننے پر مجبور ہو رہے ہیں کہ انسان فطرتاً متعدد ازدواج کی فطرت پر پیدا کیا گیا ہے۔

صرف یہ ہی ایک مثال نہیں ہے بلکہ سائنس دانوں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ یک زوجگی کی حالت میں نر و مادہ کو اگر کچھ فاصلہ سے دیکھا جائے تو وہ مختلف نظر نہیں آتے۔ اس میں بھی گبن نسل کے بندروں کی مثال دی جا سکتی ہے۔ لیکن متعدد ازدواج کی نسل کے بندر جن کی بہترین مثال گوریلا نسل کے بندر ہیں نر و مادہ میں دور ہی سے تمیز کی جا سکتی ہے جبکہ گوریلا نر کی پیٹھ پر سفید بال ہوتے ہیں اور سر ابھرا ہوا ہوتا ہے۔ جو کہ نر اور مادہ کی تمیز دور ہی سے کر دیتا ہے۔

یعنی یک زوجگی کی حالت میں دور سے نر و مادہ میں کوئی فرق نظر نہیں آئے گا۔ لیکن کثرتِ ازدواج پر جو نسل فطرتاً پیدا کی گئی ہے اس میں، نر اور مادہ میں دور ہی سے تمیز ہو جاتی ہے۔

یہ اصول ہو بہو انسان پر ثابت ہوتا ہے کہ انسان کے چہرے پر بال اور عورت کی مخصوص ساخت کی وجہ سے مرد اور عورت میں دور ہی سے تمیز کی جا سکتی ہے جو کہ پھر ایک دفعہ دلیل فراہم کرتی ہے کہ انسان کی پیدائش فطرتاً متعدد ازدواج پر کی گئی ہے اور یہی جریدہ اسی مضمون میں آگے اس بات کو ایک سروے سے ثابت کرتا ہے کہ مرد کا فطری رجحان متعدد ازدواج کی طرف پایا گیا ہے جو کہ ان کے معاشرے میں وہ غیر قانونی طور پر اس کو پورا کرتا ہے۔ اور اسی سروے کے مطابق عورت کا رجحان فطرتاً یک زوجگی کی طرف یعنی ایک شوہر کی طرف پایا گیا ہے اور اگر وہ عام طور پر کسی دوسرے مرد کی طرف راغب ہوتی ہے تو اس کی وجہ اپنے شوہر کی طرف سے ناکافی جنسی تسکین ہوتی ہے جس میں یا تو عمر کا دخل ہوتا ہے یا پھر اس کی کوئی اور وجہ ہوتی ہے۔ اس طرح ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ انسان میں متعدد ازدواج کا ہونا انسان کی عین فطرت میں داخل ہے۔ تو یہ کس طرح ممکن تھا کہ دینِ فطرت انسان کو اس کی اجازت نہ دیتا۔

مگر جو مغرب پرست طبقہ کی اکثریت اور "ترقی پسند خواتین" جو کہ مغربی تمدن کی اندھی تقلید کرتے ہیں وہ اس کی پیروی کرتی آئی ہیں جو کہ وہاں کے معاشرے میں ہو رہا ہے۔

شاید علامہ اقبال نے انہی جیسے غلامانہ ذہنیت والی کالی بھیڑوں سے متنبہ کیا ہے!

بھروسہ کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر
کہ دنیا میں فقط مردانِ حُر کی آنکھ ہے بینا

جاوید عباسی

Coca-Cola
Coca-Cola is it!
TRADE MARK REGD
"COCA-COLA" AND
THE COCA-COLA

تواضع کے بہتر آداب
-آپ کا بہترین انتخاب
فریشول
حلوہ جوزی
AHMED'S
Freshwel
RASGULLA
Freshwel
KARACHI
HALWA
Freshwel
ایکم (پرائیویٹ) لمیٹڈ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ

ایک اور اعزاز

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے گزشتہ سالوں کی طرح ۸۳-۱۹۸۲ء کے دوران بھی ہماری بہترین برآمدی کارکردگی اور وطن عزیز کے لیے کثیر زرمبادلہ کمانے پر فیڈریشن آف پاکستان چیمبرز آف کامرس اینڈ انڈسٹری کی جانب سے ہم ایک بار پھر

بہترین برآمدی کارکردگی کی ٹرافی

کے مستحق قرار پائے

یہ ٹرافی جناب جنرل محمد ضیاء الحق صاحب صدر پاکستان نے ایک پُروقار تقریب میں اپنے ہاتھوں سے ہمیں عطا فرمائی۔

ہمیں خیمے۔ ترپالیں اور کینوس کی دیگر مصنوعات کے سب سے بڑے برآمد کنندگان ہونے کا بجا طور پر شرف حاصل ہے۔

حاجی شیخ نورالدین اینڈ سنز لمیٹڈ

SNDS

پاکستان میں کینوس مصنوعات کے سب سے بڑے برآمد کنندگان

ہیڈ آفس: حفیظ چیمبرز، ۸۵۔ شاہراہ قائد اعظم، لاہور (پاکستان)

فون: ۳۰۶۴۶۸ - ۳۰۵۴۶۹، تار: شاہی خیمہ ٹیلکس: 44543 NOOR PK

ایکسپورٹ آفس: ۶۱۶-۶۱۴ کامرس سینٹر، چھٹی منزل، حسرت موہانی روڈ۔ کراچی (پاکستان)

فون: ۲۱۳۵۴۰ - ۲۱۴۳۸۷، تار: TARPAULIN ٹیلکس: 25480 NOOR PK

Regd. L. No. 7360

MONTHLY "MEESAQ" LAHORE

Vol. 35	JULY 1986	No. 7

Siddiq Sons Industries Ltd.

Largest Manufacturers & Exporters of :

WATERPROOF COTTON CANVAS, TARPAULINS, TENTS, WEBBING AND OTHER CANVAS PRODUCTS,

HEAD OFFICE :

5-C, 5th FLOOR, SIDCO EVENUE CENTRE
264-R. A. LINES, KARACHI (PAKISTAN)

2 - K GULBERG II, SHAHRAH-E-IQBAL, LAHORE.
TELEFHONE : 870512 880731